جبراً تبدیلیٔ مذہب
حقائق اور غلط فہمیاں
مرتب
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
ناظم دار العلوم رشیدیہ و صدر دار الافتاء والارشاد حیدرآباد
ناشر
دار العلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

جبراً تبدیلی مذہب

حقائق اور غلط فہمیاں

مرتب

مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی

ناظم دارالعلوم رشیدیہ، مہدی پٹنم، حیدرآباد

ناشر

دارالعلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

فہرس

مسلمانوں پر کفار کے ظلم کی وجہ کیا تھی؟

جبراً تبدیلئ مذہب تاریخ کی روشنی میں

غبارِ خاطر

اسلام ایسا جامع مذہب ہے کہ اس میں رنگ ونسل، مال و دولت وجہ امتیاز نہیں ہے، اسلام اپنے نظریہ مساوات کی وجہ سے پوری دنیا میں متعارف ہے، ابتداء سے اب تک بھی لوگ اس کی جامعیت سے متاثر ہوکر کسی جبر کے بغیر اسے اپنایا ہے۔

دعوت دین ایسا فریضہ ہے جو انسانیت کے مفاد میں ہے، ہر دور میں یہ فریضہ ادا ہوتا رہا، اور ادا ہوتا رہے گا، دعوت دین کو لوگ قبول بھی کرتے ہو اور رد بھی کرتے ہیں، جس میں وہ مختار ہوتے ہیں، رسولوں کی ذمہ داری بھی صرف تبلیغ دین ہے، ہدایت اور ضلالت کے راستے واضح ہو جانے کے بعد ہدایت کے راستے پر چلنا اور ضلالت کے راستے سے بچنا قوموں کا اپنا فریضہ ہوتا ہے، اللہ تعالی نے بھی قبولِ حق میں جبر کیا اور نہ جبر کی اجازت دی، بلکہ اختیار دیا کہ خود ہی صحیح یا غلط راستے کا انتخاب کرلیں، اگر اللہ چاہتا تو ساری دنیا کو مسلمان بنا دیتا لیکن یہ اس کی حکمت اور عدل کے خلاف ہے، رسول بھیجنا، اپنی کتابیں نازل کرنا، تبلیغ کا مکلف قوم کی زبان میں بنانا، لوگوں کو اپنی عقل استعمال کرنے کا حق دینا، آج تک بھی نافرمانوں کی کثرت اور ان پر عذاب مسلط نہ کرنا اختیار ہی کی دلیل ہے۔

آج بھی پوری امتِ مسلمہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسلام لانے کے معاملے میں جبر معتبر نہیں ہے، جب نہ خدا تعالی خود جبر کرتا ہے نہ اس نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کو جبر کی اجازت دی ہے اور نہ کسی اور انسان کو تو جبر کا الزام کیسے؟ یہ تو محض خوشی کا سودا ہے۔

ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، اس کے آئین میں مذہب کو شخص کا انفرادی معاملہ قرار دیا گیا ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ جبراً تبدیلیٔ مذہب کا الزام لگائے؟ کیا ملک کے شہریوں کے شخصی حقوق پامال کرنا آئین کے خلاف نہیں ہے؟

تبدیلی مذہب کی بحث ہمارے ملک میں نئی نہیں ہے، یہ تو آمدِ اسلام سے ہی زیرِ

بحث ہے،کفارِ مکہ کی نسلی خاصیات ملکِ ہذا میں بھی پائے جاتے ہیں، ایسی بحثیں چھیڑ کر ماحول کو پراگندہ کرنا ملک کی فرقہ پرست جماعتوں کی کامیابی کا ذریعہ ہے، چبھنے والی بات تو یہ ہے کہ تبدیلی عموماً ہندومت سے اسلام، یا عیسائیت کی طرف ہوتی ہے، جس سے یہ خوف تو ہوتا ہی ہے کہ اپنے مذہب کے ماننے والے دن بہ دن کم ہو جائیں گے اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے غالب آجائیں گے۔

اسلام مذہب کے معاملہ میں دورنگی گوارا نہیں کرتا، کیونکہ اسلام قبول کرنے کا مطلب خداؤں میں ایک خدا کا اضافہ نہیں ؛اسلام قبول کرنے کا مطلب اللہ سے رشتہ جوڑ کر تمام توہمات سے رشتہ توڑنا ہے، اسلام اپنی عبادات میں،عید وتہوار از دواجی زندگی میں،شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنے میں،کھانے،پینے،خریدنے،بیچنے،کمانے،غرض زندگی کے ہر شعبہ میں حلال وحرام کی حدیں قائم کرکے حرام سے بچنا پڑتا ہے،دین یقیناً بالکل آسان ہے؛مگر نفس کے پجاریوں کے لئے لوہے کا چنا چبانے کے مترادف ہے،درحقیقت مسلمان ہونے کے بعد انسان ایک سماج سے دوسرے سماج کی طرف ہجرت کرجاتا ہے،جہاں آنے والوں کے لئے پھولوں کا اسٹیج سجایا نہیں جاتا،یہ راستہ خدا سے ڈر کر سچائی اور حقیقت کی تلاش میں نکلنے والوں کا ہے،یہاں عزم وارادہ کی قوت سے مسلح ہونا ضروری ہے،حقیر،معمولی اور مادی مقاصد کے تحت اسلام میں آنے کی گنجائش نہیں ہے۔

جہاں ملکی پیمانے پر مشکلات ہیں وہیں دعوتِ اسلام سے غفلت اور دفاعِ اسلام کی ذمہ داری میں کوتاہی کی بناء پر ہندوستان میں عیسائیت کی طرف سماج کا رجوع زیادہ ہورہا ہے اور ارتداد کے واقعات کثرت سے دیکھے جارہے ہیں۔

دستور کی شق ۲۵ سے شق ۲۸ تک کے مطابق ہر ہندوستانی کو اپنے پسند کے مذہب پر عمل کرنے بلکہ دوسروں تک اسکی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے،ایک طرف دستور ہند اور اسکی لاج رکھنے کی باتیں اور دوسری طرف فرقہ پرستوں کی یہ کوشش کہ ملک کے باشندوں

سے ان کا اختیار سلب کر لیا جائے یا اسے اس قدر دشوار کر دیا جائے کہ وہ اپنے اس حق کو استعمال ہی نہ کرسکیں۔

رسالۂ ہذا میں اکثر اہل فکر و اہلِ قلم کے نگارشات یکجا کئے گئے ہیں، حتی الامکان حوالے لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، کہیں حوالہ رہ جائے تو معذور سمجھا جائے، مرتب اس رسالہ میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ محنت نہیں کرسکا، اللہ مقصود کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو دعوتِ دین کی ذمہ داری بخوبی نبھانے کی توفیق بخشے۔

احمد اللہ نثار قاسمی

ناظم دار العلوم رشیدیہ حیدر آباد

واردِ حال مدینہ منورہ، مسجدِ نبوی

قبل نمازِ جمعہ 12 / 8 / 2022ء

۱۳ / محرم الحرام / ۱۴۴۴ھ

جبراً تبدیلیٔ مذہب اور قرآنیات

کیا دین میں جبر ہے؟

قرآن مجید، اور رسول اللہ ﷺ کا قول وعمل دین وشریعت کے یہی دو بنیادی مأخذ ہیں؛ جبری تبدیلیٔ مذہب کے سلسلہ میں قرآن وسنت کا خود مطالعہ کرنا چاہئے اور برادرانِ وطن تک اس پروپیگنڈہ کی حقیقت اور سچائی کو پہنچانا چاہئے، قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمادیا کہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت اور گمراہی دونوں واضح ہیں، پس جو شخص باطل معبودوں کا انکار کر کے ایک خدا پر ایمان لے آئے، اس نے مضبوط چیز کو تھام لیا جو جدا ہونے والی نہیں ہے اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" (۱) یہ آیت ایک انصاری صحابی حضرت حصین بن سالم بن عوفؓ کے بارے میں نازل ہوئی، ان کے دو بیٹے سرکار دوعالم ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائی ہو گئے تھے، یہ دونوں زیتون کے تیل کی تجارت کرتے تھے، اور اسی مقصد کے لیے مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے، ان کے والد حصینؓ چوں کہ مسلمان ہو چکے تھے، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ میرے بیٹے بھی مسلمان ہو جائیں، ان پر اسلام پیش کیا گیا وہ تیار نہیں ہوئے، باپ نے زبردستی کی، بات بڑھی اور سرکار دوعالم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، حضرت حصینؓ انصاری نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ دونوں میرے جسم کا حصہ ہیں، میں اپنے جسم کے حصے کو جہنم کی آگ میں جلا ہوا کیسے دیکھوں، اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت میں اسلام کے اس عظیم الشان اصول کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین وعقیدے کے معاملے میں کسی جبر اور اکراہ کی اجازت نہیں ہے، اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں جہاد کے احکام بیان کئے گئے تھے، احکام جہاد کے بعد یہ اعلان اس لیے کیا گیا تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے دی گئی ہے نہ کہ دین کی اشاعت اور قبول اسلام پر مجبور کرنے

(۱) (البقرة ۲۵۶ :)

کے لیے۔

کوئی بھی شخص سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور کا کوئی ایک واقعہ ایسا بھی نہیں بتلا سکے جس میں اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور کیا گیا ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قول باری تعالیٰ ''لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ'' کے بارے میں زید بن اسلم سے دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے کی زندگی مکی میں کسی کو مذہب اسلام اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا، اس کے باوجود کفار آپ ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے، یہی وہ موقع ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کو ان سے اس کا دفاع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔(۱)

آیت کا مطلب

آیت پاک کا مطلب یہی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بزور طاقت کسی کو اسلام میں داخل ہونے کے لئے مجبور کریں، کیونکہ اسلام نام ہی اس بات کا ہے کہ انسانوں کا دل اندر سے آواز دے کہ اسلام ہی میرے دل کی آواز ہے اور یہی میرا منزل مقصود ہے۔ پھر زبان سے اس کا اقرار کریں اور ایمانی تقاضوں کے مطابق زندگی گزار کر عملی طور پر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت فراہم کرے، جن کی فطرت سلیمہ نہیں ہوئی ہے اسلام کے دامن راست میں پناہ حاصل کرنے کیلئے بے چین و بے قرار رہیں، دنیا بھر میں جتنے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں وہ انہیں حقیقتوں کے عکاس ہوتے ہیں، جور وظلم ڈھاتے ہوئے تلوار کی نوک پر کسی کی جان کے درپے ہو کر یا زور وجبر اور دباؤ بنا کر ڈر وخوف کی کیفیت طاری کر کے اسلام میں داخل نہیں کہا جا سکتا، ایسا اسلام سرے سے اللہ

---

(۱)(البقرۃ ۲۵۶ :)

سبحانہ کے ہاں معتبر نہیں ہے، اسلام کی زریں تاریخ روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے، تاریخ کے اوراق میں ایسا کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا جو جبر وظلم سے اسلام لانے پر مجبور کئے جانے کی تصدیق کرے۔

حضرت عمرؓ کی دعوت پر بوڑھی عورت کا رد کر دینا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھی عورت کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس نے یہ کہ کر اسلام لانے سے منع کر دیا کہ میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور میرا آخری وقت قریب ہے اس لیے میں اب یہ مذہب قبول نہیں کر سکتی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

سورۂ کافرون کا پس منظر

باطل ہمیشہ مختلف روپ میں ظاہر ہوتا ہے، گمراہ کرنے کے نئے نئے حربے استعمال کرتا ہے، اپنے باطل نظریات کے فروغ میں خواہ کتنی ہی نرمی و لچک پیدا کرلے وہ باطل ہی رہے گا، کفار ومشرکین کے جب سارے حربے ناکام ہو گئے تو انھوں نے ایک نئی چال چلی کچھ رؤسائے عرب جیسے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، امیہ بن خلف حضور رحمت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا. آپ جو نیا دین لائے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں، اس سے ہمارے اچھے خاصے ماحول میں بھونچال آ گیا ہے، خاندان جو پہلے جس مذہب پر قائم تھے وہ ذہنی انتشار سے محفوظ تھے اس عنوان سے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس انتشار کی خلیج کو پاٹ دیا جائے، اس مقصد سے ہم اس کا ایک اچھا حل آپ کی خدمت میں پیش کرنے آئے ہیں کہ ایک سال ہم سب مل کر اس کی عبادت کریں گے جس کی آپ دعوت دے رہے ہیں، پھر دوسرے سال ہمارے ساتھ مل کر آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں، پھر حق

سبحانہ وتعالی نے سورہ کافرون نازل فرما کر ان کی باطل کوششوں کو خاک میں ملا دیا، اور آپ ﷺ حرم پاک میں تشریف لے گئے جہاں کفار ومشرکین کے سارے سرغنے جمع تھے پھر یہ سورہ پاک کی ان کے سامنے تلاوت فرمائی، جس میں اس فکر کی بیخ کنی کرتے ہوئے اہل باطل کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ تم کو تمہارا باطل مذہب پسند ہو تو اس پر ڈٹے رہو، تمہارا اپنا اختیار ہے، لیکن ہم راہ حق کے داعی ہیں اس لئے اپنے مذہب کو دل و جان سے عزیز رکھیں گے، اور قیامت تک آیت پاک کی آخری آیت "لكم دينكم ولى دين" یعنی تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے کی تعمیل میں گفتار و کردار سے برملا اس کا اعلان کرتے رہیں گے۔

☆ اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا : آپ ﷺ کا کام صرف نصیحت کرنا ہے، آپ داروغہ نہیں ہیں کہ ان کو اپنی بات ماننے پر مجبور کریں :

"اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" (۱)

"نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيد"

ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں پھر آپ قرآن سے اس کو نصیحت کی جیئے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو۔

☆ پیغمبر اسلام ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ اگر غیر مسلم آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، آپ کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ پیغامِ ہدایت کو صاف صاف اور کھلے طور پر پہنچا دیں اور بس

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْن" (۲)

---

(۱) (الغاشیہ ۲۱ :-۲۲)

(۲) (النحل ۸۲ :)

☆ آپ سے فرمایا گیا کہ جو لوگ کفر پر بضد ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین: ''لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ'' (۱)

☆ ایک اور موقع پر آپ کی زبان مبارک سے کہلا دیا گیا کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال: ''لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ''۔ (۲)

''وَ لَوْ شاءَ رَبُّك لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَ فَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ''

اگر آپ کے رب کو منظور ہوتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں!

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ تعالی کے لیے یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ تمام انسانوں کے دل تکوینی طور پر ایمان کی طرف مائل کر دیتا، مگر اسی طرح حکمت الہی کا تقاضا پورا نہ ہوتا، اور کسی کو اختیار تمیزی کا حق باقی نہ رہتا جو مدار تکلیف ہے، ایمان اعتقاد کا نام ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے زبردستی کسی کے دل میں ٹھونس دیا جائے، اس لیے اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جبری ایمان پیغمبروں کا شیوہ نہیں ہے، آپ کا کام ہدایت کا پیغام پہنچانا تھا وہ آپ کر چکے، آپ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے، یہ ہر شخص کے فکر و نظر اور قبول حق کی استعداد و صلاحیت پر موقوف ہے، نہ اللہ اس سلسلے میں کسی پر جبر کرتا ہے اور نہ اپنے رسولوں کو اس کی اجازت دیتا ہے، اگر اللہ کو جبر مقصود ہوتا تو دنیا میں پیغمبروں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، جب چاہتا تمام انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا۔

---

(۱) (الکافرون ۶:)

(۲) (الشوریٰ ۱۵:)

جبراً تبدیلیٔ مذہب اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غزوۂ بدر اور جبراً مذہب کی تبدیلی

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں متعدد ایسے مواقع پیش آئے کہ آپ ﷺ کسی گروہ یا فرد کو مسلمان ہونے پر مجبور کر سکتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا، جس میں مکہ کے بڑے بڑے بہادر اور سردار شریک جنگ تھے، یہ جنگ جو آپ پر اہل مکہ کی طرف سے مسلط کی گئی تھی، اس میں مسلمانوں کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ ایک تہائی سے بھی کم تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، ستّر اعداءِ اسلام جنگ میں مارے گئے اور ستّر قید کئے گئے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان ستر اشخاص کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے تھے، مگر ان قیدیوں کے ساتھ آپ نے نہ صرف یہ کہ کسی طرح کے جبر و اکراہ کا سلوک نہیں فرمایا؛ بلکہ ان کے ساتھ نہایت حسن سلوک کا معاملہ فرمایا اور ان سے اشارہ کنایہ میں بھی مسلمان ہونے کا مطالبہ نہیں کیا۔

ان قیدیوں میں سے اکثر فتح مکہ سے قبل اور بعد، مختلف اوقات میں مسلمان ہو گئے، ان میں سے کسی پر بھی کسی کا جبر نہیں تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں، ان میں سے چند یہ ہیں: عباس، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، خالد بن ہشام، عبدہللا بن سائب، مطلب بن حطب بن حارث، ابو وداعہ حارث بن صبیرہ حجاج بن حارث بن قیس، عبد ہللا بن آبی ابن خلف، وہب بن عمیر، سہیل بن عمرو، عبد بن زمعہ، قیس بن سائب اور نسطاس مولیٰ امیہ بن خلف۔(۱)

میثاقِ مدینہ اور جبراً مذہب کی تبدیلی

(۲) مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے ایک دستاویز، معاہدہ تیار کرایا، جو

(۱) الروض الأنف: ۱۲۵/۳

میثاق مدینہ کے نام سے موسوم ہے، یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے، میثاق مدینہ میں ۵۳؍دفعات شامل تھیں، اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہود سے اپنی قیادت تسلیم کرائی جو صدیوں سے مدینہ کی قیادت کرتے چلے آرہے تھے، اس معاہدہ کے بنیادی مقاصد تین تھے: مدینہ کے تمام باشندوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ، دوسرے: سبھوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی، تیسرے: مدینہ پر کوئی حملہ ہو تو مسلمان اور یہودی مل کر اس کا مقابلہ کریں، اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کو مذہبی آزادی عطا فرمائی؛ کیوں کہ اس معاہدہ کا ایک اہم رکن تمام لوگوں کے لئے مذہبی آزادی تھا۔(۱)

یہودِ مدینہ اور جبراً مذہب کی تبدیلی

(۳) مدینے کے یہودی قبائل سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جنگ کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے (دیکھیے: میثاق مدینہ) جنگ بدر کے موقع پر یہود نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور غیر جانبداری کا اعلان کردیا۔ مسلمان اکیلے ہی مشرکین مکہ پر فتح حاصل کرکے مدینے واپس لوٹے تو یہودیوں کو ناگوار گذرا۔ حسد میں وہ مسلم دشمنی پر اتر آئے، مجبوراً مسلمانوں کو سب سے پہلے یہود کے قبیلہ بنوقینقاع کو مدینے سے جلاوطن کرنا پڑا، یہ خیبر میں جاکر آباد ہوئے، مگر اسلام دشمنی سے پھر بھی باز نہ آئے، بدستور سازشوں میں مصروف رہے، اسلامی لشکر نے جنگ خیبر میں ان کی سرکوبی کی، رمضان ۲ھ میں حضور ﷺ جنگ بدر کے معرکہ سے مدینہ واپس لوٹے، اس کے ایک مہینے بعد ہی ۱۵؍شوال ۲ھ میں غزوہ بنی قینقاع کا واقعہ درپیش ہوا، بدر کے بعد یہودیوں نے شروعداوت کا مظاہرہ کیا مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے، بنوقینقاع، بنو

(۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ، دارالارشاد، بیروت

نضیر، بنو قریظہ، ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا، مگر جنگِ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی تھے، جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی، دکانداروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے، عورت چلائی تو ایک عربی آیا اور دکان دار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہوگئی، حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے، اس پر بنو قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگِ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں، مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے، اس لیے آپ نے ان کو مار لیا، اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا، آپ ﷺ نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ کسی طرح نہیں مانے، یہاں تک کہ دونوں طرف سے جنگ کا اعلان ہوگیا، حضور ﷺ نے نصف شوال ۲ھ پیر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا، یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہوگئے، مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہوگئے اور ذی القعدہ کے چاند رات کو یہودی ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوگئے، حضور ﷺ نے صحابہؓ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور یہ عہد شکن، بدذات یہودی ملک شام کے مقام اذرعات میں جا کر آباد ہوگئے۔(۱)

اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان سبھوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے اور دباؤ ڈال سکتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ان سے اسلام لانے کا کوئی مطالبہ نہیں فرمایا۔

---

(۱) سیرتِ مصطفی، مؤلف عبد المصطفیٰ اعظمی، صفحہ 245، ناشر مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

یہودِ خیبر اور جبراً تبدیلی مذہب

(۴) خیبر کا علاقہ بالخصوص اس کے کئی قلعے یہودی فوجی طاقت کے مرکز تھے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بنے رہے اور مسلمانوں کے خلاف کئی سازشوں میں شریک رہے۔ ان سازشوں میں غزوہ خندق اور غزوہ احد کے دوران یہودیوں کی کارروائیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خیبر کے یہودنے قبیلہ بنی نظیر کو بھی پناہ دی تھی جو مسلمانوں کے ساتھ سازش اور جنگ میں ملوث رہے تھے۔ خیبر مدینہ منورہ سے ۶۰ ر میل کے فاصلے پر واقعہ یہودیوں کا بڑا شہر تھا، یہودی سازشیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان پر حملہ کر کے قلعہ خیبر فتح کرلیا۔ یہاں کی زمینوں کی پیداوار کا نصف حصہ اسلامی حکومت کے تصرف میں آیا۔

یہود کے تعلقات بنو قریظہ کے ساتھ بھی تھے، جنہوں نے غزوہ خندق میں مسلمانوں سے عہد شکنی کرتے ہوئے انہیں سخت مشکل سے دو چار کر دیا تھا، خیبر والوں نے فدک کے یہودیوں کے علاوہ نجد کے قبیلہ بنی غطفان کے ساتھ بھی مسلمانوں کے خلاف معاہدے کیے تھے۔(۱)

انھوں نے جب مسلمانوں سے بدعہدی کی اور معاہدہ توڑ دیا تو آپ ﷺ نے ان کو دس دنوں کا موقع دیا کہ وہ کہیں اور منتقل ہو جائیں؛ کیوں کہ ان کی سازشوں کا پردہ فاش ہوگیا تھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش رچی تھی، ان کی تعداد اٹھارہ سو سے دو ہزار تک تھی، چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر یہ اپنے ساز وسامان کے ساتھ یہاں سے نکل گئے، کچھ خیبر میں بس گئے اور زیادہ تر شام کی طرف چلے گئے،(۲) اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو شہر سے نکالنے کے بجائے ایمان لانے پر مجبور کرتے، اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ انصار کی بعض اولاد نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا، اس لئے یہودی ان کو اپنے ساتھ

---

(۱) مغازی: ۲/ ۶۳۷، بحوالہ: آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا

(۲) (سیرت احمد مجتبیٰ ۲: / ۳۵۵)

لے جانا چاہتے تھے، جب کہ انصار مدینہ نے ان کو روک لیا تھا تو اس موقع پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی: ”لاَ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ“(۱) کہ ”دین کے معاملہ میں جبر کرنے کی گنجائش نہیں“ چنانچہ آپ نے انصار کو ان کی اولاد کو روکنے سے منع فرمادیا۔(۲) (جیسا کہ گذر چکا)

فتح مکہ مکرمہ اور جبراً تبدیلی مذہب

(۵) اس طرح کے واقعات کئی بار پیش آئے کہ کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی، ان کو شکست ہوئی، مسلمان اس موقف میں تھے کہ انھیں ایمان لانے پر مجبور کرتے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھایا، مثال فتح مکہ ہے، اہل مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کیا تھا اور اپنی طرف سے اس بات پر مجبور کردیا تھا کہ مسلمان کفر کی طرف واپس ہوجائیں، اس پس منظر میں اگر آپ اہل مکہ کو مسلمان ہونے پر مجبور کرتے تو یہ کوئی ناحق بات نہیں ہوتی، جب مکہ فتح ہوا تو وہ تمام لوگ آپ کے سامنے تھے، جنھوں نے آپ کو اور ایمان لانے والے کو ناقابل برداشت اذیتیں پہنچائی تھیں اور مدینہ جانے کے بعد بھی مسلمانوں پر تابر توڑ حملے کرتے رہے تھے؛ لیکن آپ نے اس موقع پر ان سبھوں کو معاف کردیا اور فرمایا کہ جو سلوک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا، وہی سلوک آج میں تمہارے ساتھ کرتا ہوں: تم آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں، اللہ تم کو معاف کردے جو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

”أنتم الطلقاء، لا تثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم، وھو أرحم الراحمین“(۳)

اگر آپ ﷺ چاہتے تو اس موقع پر تمام مشرکین کو مسلمان ہونے پر مجبور کرسکتے تھے؛

---

(۱) (البقرۃ: ۲۵۶)

(۲) (ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاسیر یکرہ فی الاسلام)

(۳) (أخبار مکۃ: ۲/۱۲۱)

لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، بہت سے لوگ کفر کی حالت پر باقی رہے، یہاں تک کہ اِس سال اسی حالت میں حج بیت اللہ میں بھی شرکت کی؛ البتہ اسلام کی سربلندی، رسول اللہ ﷺ کے عفو و کرم اور معبودانِ باطل کی ناطاقتی کو دیکھ کر از خود جوق در جوق ایمان لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اگر آپ کسی گروہ کو جبر و اکراہ کے ذریعہ مسلمان بنانا چاہتے تو اس سے بڑھ کر کوئی اور موقع نہیں تھا؛ کیوں کہ مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بسایا تھا اور کعبۃ اللہ کو اپنے صاجزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تعمیر کیا تھا، جو توحید کے علمبردار تھے اور اہل مکہ اُن ہی کی اولاد تھے، جو اُن کے راستہ سے بھٹک گئے تھے۔

قبیلۂ بنو ہوازن اور جبراً تبدیلی مذہب

(۶) حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، تاریخ اسلام میں اس جنگ کا دوسرا نام غزوۂ ہوازن بھی ہے، اس لیے کہ اس لڑائی میں بنی ہوازن سے مقابلہ تھا، مکہ اور طائف کی درمیان وادی میں بنو ہوازن اور بنو ثقیف دو قبیلے آباد تھے، یہ بڑے بہادر، جنگجو اور فنون جنگ سے واقف سمجھے جاتے تھے، فتح مکہ کے بعد بھی انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، ان لوگوں نے یہ خیال قائم کرلیا کہ فتح مکہ کے بعد ہماری باری ہے اس لیے ان لوگوں نے یہ طے کرلیا کہ مسلمانوں پر جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک زبردست حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے عبد اللہ بن ابی حدرد کو تحقیقات کے لیے بھیجا۔ جب انہوں نے وہاں سے واپس آ کر ان قبائل کی جنگی تیاریوں کا حال بیان کیا اور بتایا کہ قبیلۂ بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے اپنے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے اور قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم مالک بن عوف ان تمام افواج کا سپہ سالار ہے اور سو برس سے زائد عمر کا بوڑھا، درید بن الصمہ جو عرب کا مشہور شاعر اور مانا ہوا بہادر تھا بطور مشیر کے میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے اور یہ لوگ اپنی عورتوں بچوں بلکہ جانوروں تک کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں تاکہ کوئی سپاہی میدان سے بھاگنے کا خیال بھی نہ کر سکے۔

نبی کریم ۸ ہجری میں بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کے مقابلے کو نکلے، ان میں دو ہزار سے زائد نومسلم اور چند غیر مسلم بھی شامل تھے، دشمنوں نے اسلامی لشکر کے قریب پہنچنے کی خبر سنی تو وادی حنین کے دونوں جانب کمین گاہوں سے اس زور کی تیر اندازی کی کہ مسلمان سراسیمہ ہو گئے، مکہ کے نومسلم افراد سب سے پہلے ہراساں ہو کر بھاگے، ان کو دیکھ کر مسلمان بھی منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ حضور کے ساتھ چند جاں نثار صحابہ میدان میں رہ گئے اور بہادری سے لڑتے رہے، خود رسول اللہ تلوار ہاتھ میں لے کر رجز پڑھ رہے تھے۔ "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" آپ کی ثابت قدمی اور شجاعت نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کیے اور یہ مٹھی بھر آدمی دشمن کے سامنے ڈٹے رہے، حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نام لے کے مہاجرین وانصار کو بلایا، اس آواز پر مسلمان حضور ﷺ کے گرد اکھٹے ہو گئے اور اس شدت سے جنگ شروع ہوئی کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ نکلے، بنوثقیف نے طائف کا رخ کیا، بنو ہوازن اوطاس میں جمع ہوئے، لیکن مسلمانوں نے اوطاس میں انہیں شکست دی، مسلمانوں کو شاندار کامیابی ہوئی۔

غزوۂ حنین میں قبیلۂ ہوازن وثقیف کے کچھ سردار مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے، ان کے ساتھ جو ان کے اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے، جس میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، جو تقریباً چار من ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان بن حرب کو اموال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ بند دشمن اندر ہی سے تیر برساتے رہے، سامنے آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے لیے بددعا فرمایئے، مگر آپ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور بالآخر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرما کر واپسی کا قصد فرمایا اور مقام جعرانہ پر پہنچ کر ارادہ فرمایا کہ پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ

ادا کریں، پھر مدینہ طیبہ کو واپسی ہوں، مکہ والوں کی بڑی تعداد جو تماشائی بن کر مسلمانوں کی فتح و شکست کا امتحان کرنے آئی تھی، اس جگہ پہنچ کر ان میں سے بہت لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسی مقام پر پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا، ابھی اموال غنیمت تقسیم ہو ہی رہے تھے کہ دفعتہً ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد سعدی کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جن میں آنحضرت ﷺ کے رضاعی چچا ابو یرقان بھی تھے، انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور یہ درخواست کی کہ ہمارے اہل وعیال اور اموال ہمیں واپس دیدیے جائیں، اس درخواست میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ہم بسلسلہ رضاعت آپ کے خویش وعزیز ہیں اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں، رئیس وفد ایک شاعر آدمی تھا، اس نے کہا کہ یارسول ﷺ اگر ہم بادشاہ روم حارث غسانی یا شاہ عراق نعمان بن منذر سے اپنی ایسی مصیبت کے پیش نظر کوئی درخواست کرتے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ بھی ہماری درخواست کو رد نہ کرتے اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ میں سب سے زیادہ ممتاز فرمایا ہے، آپ سے ہم بڑی امید لے کر آئے ہیں۔(۱)

مسور بن مخزمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ کے پاس جب ہوازن کا وفد آیا، تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے، آپ سے ان لوگوں نے درخواست کی کہ ان کے قیدی واپس کر دیے جائیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سچی بات بہت پسندیدہ ہے، اس لیے دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرو، یا تو قیدی واپس لو یا مال اور میں نے تو ان کے آنے کا (جعرانہ) میں انتظار کیا تھا، رسول ﷺ نے ان لوگوں کا دس راتوں سے زائد انتظار کیا، جب طائف سے واپس ہوئے تھے، چنانچہ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول ﷺ دو

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، التوبہ 10

چیزوں میں سے ایک ہی چیز واپس کریں گے، تو ان لوگوں نے کہا قیدیوں کو واپس کر دیجیے، رسول ﷺ مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف بیان کی، جس کا وہ مستحق ہے پھر فرمایا : امابعد تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں، اس لیے جو شخص بخوشی واپس کرنا چاہے، تو واپس کر دے اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا حصہ باقی رہے اس طور پر کہ جو سب سے پہلی فتح ہوگی تو ہم اس کا عوض دے دیں گے، تو ایسا کرے، لوگوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں کو رسول ﷺ کی خوشی کی خاطر بلا معاوضہ دے دیں گے، رسول ﷺ نے فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے اس کو منظور کیا اور کس نے نامنظور کیا تم لوگ لوٹ جاؤ اور تمہارے سردار ہمارے پاس آ کر بیان کریں، لوگ لوٹ گئے، ان سے اس کے سرداروں نے گفتگو کی پھر رسول ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے تو ان لوگوں نے بیان کیا کہ لوگ قیدی واپس کرنے پر راضی ہیں۔(۱)

اگر آپ چاہتے تو ان سب کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرمادیا، اس موقع پر یہ بات بالکل ممکن تھی کہ آپ ﷺ ان کی رہائی کو مسلمان ہونے سے مشروط کر دیتے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

ثمامہ بن اثال رضؓ اور جبراً تبدیلی مذہب

(۷) انفرادی طور پر بھی کئی ایسے مواقع آئے جن میں کوئی اہم دشمن مسلمانوں کی گرفت میں آ گیا، آپ اگر چاہتے تو اسے ایمان پر مجبور کر سکتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، قبیلۂ بنی حنیفہ کے سردار ثُمامہ بن اُثال حنفی جنھیں مسلمانوں نے کسی سریہ میں گرفتار کر لیا تھا، وہ لوگ انھیں پہچانتے بھی نہیں تھے، صحابۂ کرام رضؓ انھیں پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے، جب

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۲۲۱۱

آپ نے انھیں دیکھا، تو فوراً پہچان گئے کہ یہ تو اپنے قبیلے کے سردار ہیں، آپ نے انھیں ان کے حسبِ مقام عزت واحترام دیا، انھیں تین دن تک اپنے یہاں ٹھہرائے رکھا، ہر دن آپ ﷺ ان سے خیریت پوچھتے، وہ جواباً عرض کرتے کہ اگر آپ کو مجھ سے مال چاہیے، تو میں دینے کو تیار ہوں اور اگر آپ مجھے قتل کر دیتے ہیں، تو ایک (مجرم) خون والے شخص کا قتل کریں گے (آپ کو جنگ کے اصول کے مطابق اس کا بھی اختیار ہے کہ آپ مجھے قتل کر دیں) اور اگر آپ مجھ پر احسان کرتے ہیں، تو آپ ایک احسان شناس شخص پر احسان کریں گے (یعنی میں آپ کے احسان کا بدلہ چکا دوں گا)۔ نبی پاک ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ نبی پاک اور مسلمانوں کی نرم خوئی اور حسنِ سلوک نے ثُمامہ کے دل کو نرم کر دیا، حضور ﷺ نے انھیں چھوڑ دیا؛ چنانچہ وہ گئے، غسل کیا، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری خوش دلی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ایمان قبول کرلیا اور آپ ﷺ سے کہا "اے محمد ﷺ روئے زمین پر آپ سے زیادہ مبغوض میری نگاہوں میں کوئی نہیں تھا؛ لیکن اب روئے زمین پر آپ سے زیادہ محبوب شخص میری نگاہوں میں کوئی نہیں ہے، بخدا! پہلے روئے زمین پر آپ کے لائے ہوئے مذہب سے زیادہ ناپسندیدہ میرے نزدیک کوئی مذہب نہیں تھا؛ لیکن اب آپ کا لایا ہوا دین اور مذہب میرے نزدیک سب سے پسندیدہ اور محبوب بن چکا ہے، پہلے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ میرے لیے کوئی بھی شہر نہیں تھا؛ مگر اب آپ کے شہر سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بھی کوئی شہر نہیں، آپ ﷺ کو ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی؛ کیوں کہ وہ قبیلے کے سردار تھے اور بعد میں ان کی اتباع میں ان کے قبیلے اور قوم کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کرلیا، پھر نبی پاک کی مسامحت اور نرمی کا یہ معاملہ صرف ثمامہ اور ان کی قوم تک ہی محدود نہیں رہ گیا؛ بلکہ یہ آگے بڑھ کر ان لوگوں تک بھی پہنچ گیا، جو مسلمانوں کے روایتی اور پکے دشمن تھے، ہوا یوں کہ جب ثمامہ اور ان کی قوم اسلام لے آئے اور اسلام لانے کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس

لوٹے، تو اولاً تو مکہ والوں نے انھیں بھی تنگ کرنا چاہا؛ مگر چوں کہ یمامہ کے غلہ جات ہی سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی؛ اس لیے انھوں نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا؛ لیکن ثمامہ نے مسلمانوں پر ان کے مظالم کا بدلہ لینے کی غرض سے ان کو غلہ نہ دینے کی قسم کھالی، اب مکہ والے زبردست مصیبت میں پھنس گئے، انھیں کوئی راہ اس مشکل سے نکلنے کی نظر نہ آتی تھی، بالآخر انھیں ایک امید گاہ نظر آئی اور وہ خواہی نخواہی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، معاملہ بتایا اور سفارش کی درخواست کی ایسے موقعے پر دنیا کا عام قسم کا قائد، فاتح یا مصلح کیا کرتا، یہ کوئی بھی باعقل شخص سمجھ سکتا ہے؛ لیکن ہمارے نبی ﷺ نے وہ نہیں کیا، آپ نے ثمامہ کو اپنی قسم پر برقرار رہنے اور مکہ والوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنے کو نہیں کہا، نہ خود آپ نے اس وقت مکہ والوں کو اس قسم کی کوئی بات کہی؛ بلکہ آپ نے ثمامہ کو خبر بھجوائی کہ مکہ والوں تک غلہ رسانی کا سابقہ نظام جاری رکھو، انسانی دنیا کا کوئی بھی مذہب کشادہ ظرفی اور انسانیت نوازی کی ایسی مثال پیش کرسکتا ہے؟ حضرت ثُمامہ نبی پاک کے ذاتی کردار اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک اور اسلام کی حقانیت سے کس قدر متاثر ہوئے تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپکی وفات کے بعد یمامہ میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ ظہور پذیر ہوا اور بہت سے لوگ مرتد ہوگئے، تو بھی ثمامہ اور ان کے متبعین نے ارتداد کی راہ نہیں اختیار کی، وہ پکڑ پکڑ کر مسیلمہ کے جھوٹے دعویٰ نبوت پر ایمان لانے والوں کو سمجھاتے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو کہتے "تم اس تاریکی سے بچو، جس میں روشنی کا شائبہ تک نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے یہ فتنہ اپنے متبعین کے لیے لعنت ومحرومی کا سبب ہے اور نہ ماننے والوں کے لیے وقتی آزمایش ہے"؛ لیکن جب ان کے اس اعلانِ عام کے باوجود مرتدین نے ان کی بات نہیں مانی، تو ثمامہ اپنے لوگوں کو لے کر علاء بن حضرمی کے پاس چلے گئے اور پھر مسیلمہ اور اس کی جھوٹی نبوت کو ماننے والوں کی اچھی طرح خبر لی۔(۱)

---

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ‏،شمارہ12، جلد 98 :،صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

صفوان بن امیہؓ پر کس کا جبر تھا؟

(۸) آپ ﷺ نے مکہ فتح کرلیا اور مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص نصرت اور مدد کی بدولت مکے میں داخل ہو گئے، تو وہاں پہنچنے کے بعد اولاً تو آپ نے عفوِ عام کا اعلان کر دیا، مگر کچھ ایسے لوگ تھے، جو ماضی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں بڑا نام پیدا کیے ہوئے تھے اور انھوں نے مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی تھیں، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ نے اعلان یہ کیا کہ وہ یا تو مکہ چھوڑ کر نکل جائیں یا مسلمان انھیں جہاں بھی دیکھیں قتل کر دیں، ان کے لیے ان کے سنگین جرائم کی وجہ سے معافی کی کوئی گنجایش نہیں تھی، ایسے ہی لوگوں میں سے ایک صفوان بن امیہ بھی تھے، جب ان کو معاملے کی بھنک لگی، تو وہ چھپ گئے؛ بلکہ انھوں نے گھبراہٹ کے عالم میں خودکشی کا ارادہ کرلیا، اتنے میں ان کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب جمحی آپ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے آپ سے کہا ”اللہ کے رسول! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ اپنے آپ کو سمندر میں غرق کر کے ہلاک کرنے جا رہا ہے، آپ اسے امان دے دیں، نبی پاک نے ان کی یہ بات سن کر اپنا عمامۂ مبارک اتارا اور ان کے سپرد کر دیا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آپ نے صفوان کو امان دے دی، عمیر عمامہ لیے ہوئے سیدھے صفوان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا ”میرے ماں باپ تجھ پر وارے جائیں، میں تمھارے پاس دنیا کے افضل ترین، سب سے زیادہ بااخلاق، سب سے زیادہ بردبار، سب سے بہتر شخص کے پاس سے آرہا ہوں، وہ تمھارے چچازاد ہیں، ان کی عزت تمھاری عزت ہوگی، ان کا شرف تمھارا شرف ہوگا اور ان کی سلطنت تمھاری سلطنت ہوگی“ صفوان نے ان کی بات سن کر کہا نہیں مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے تو عمیر نے ان سے کہا: نہیں! تمھیں کوئی خطرہ نہیں، آپ کی بردباری اور شرافتِ نفس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، انھوں نے تمھیں امان بھی دی ہے اور اس کی علامت بھی میرے پاس بجھوائی ہے اور پھر انھوں نے صفوان کو نبی پاک کا عمامہ دکھلایا،

تب جا کر صفوان کو یقین آیا؛ مگر اب بھی کچھ نہ کچھ خلش باقی تھی؛ چنانچہ نبی پاک کی خدمت میں پہنچنے کے بعد صفوان نے آپ سے پوچھا کہ عمیر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے، تو آپ نے جواب دیا "اس کی بات درست ہے" پھر انھوں نے کہا کیا آپ مجھے (مذہب کے سلسلے میں غور کرنے کے لیے) دو مہینے کی مہلت دیں گے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "دو نہیں! ہم تمھیں چار مہینوں کی مہلت دیتے ہیں" بالآخر صفوان نے بھی اسلام قبول کر کے صحابہ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔(۱)

ہندہ رضؓ پر کس کا جبر تھا؟

(۹) ہندہ رضی اللہ عنہا قبل از اسلام خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن فتح مکہ پر بھیس بدل کر گستاخی سے باز نہیں آئی؛ لیکن دربار رسالت میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن خلق سے متاثر ہوئے بے اختیار بول اٹھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانہ مجھے مبغوض نہ تھا؛ لیکن آج آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانہ مجھے محبوب نہیں ہے آپ نے فرمایا، خدا کی قسم ہمارا بھی یہی خیال ہے۔

زید بن سعنہ پر قبولِ اسلام کے لئے کس کا جبر تھا؟

(۱۰) زید نام بنی اسرائیل سے تھے اور یہود میں بہت بڑے حبر (عالم) شمار ہوتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو صورت دیکھتے ہی ان کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا توراۃ میں نبوت کی جو علامات مذکور ہیں ان سے تطبیق دی تو صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوئی جن کا تعلق اخلاق سے تھا اور انہی کی تحقیق پر ان کا ایمان لانا موقوف تھا، چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک روز دربار نبوی میں ایک سوار پہنچا کہ فلاں گاؤں کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن قحط زدہ ہیں، آپ سے کچھ امداد ہو سکے تو دریغ نہ کیجئے، شہنشاہ مدینہ کے پاس نام خدا

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ‏،شمارہ 12، جلد 98 : ،صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

کے سوا اور کیا تھا، زید کو اب آزمائش کا موقع ملا توراۃ میں پیغمبر کی دو علامتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ اس کا علم اس کے غیظ وغضب پر سبقت کرتا ہے اور دوسری یہ کہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب تحمل سے دیتا ہے، زیدؓ علم کے ساتھ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے، حضور کی خدمت میں آئے اور کہا محمد! اگر چاہو تو فلاں باغ کے چھوہارے اتنی مدت کے لیے میرے ہاتھ رہن کردو، آپ ﷺ نے ۸۰/ دینار (۴۰۰/روپے) پر چھوہاروں کی ایک معین مقدار رہن کردی اور روپیہ سوار کے حوالہ کیا، ایک روز آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے جنازہ پر تشریف لائے، ابوبکر وعمر بھی ساتھ تھے، نماز سے فارغ ہوئے تو زید نے میعاد ختم ہونے سے قبل ہی تقاضا شروع کیا اور نہایت سختی کی چادر اور قمیص کا دامن پکڑا، پھر آپ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا محمد میرا حق نہ دوگے؟ خدا کی قسم عبدالمطلب کی اولاد ہمیشہ کی نادہند ہے، یہ جملہ سن کر عمرؓ کو طیش آگیا بولے خدا کے دشمن! میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو یہ باتیں کہتا ہے خدا کی قسم اور خالی جانے کا احتمال نہ ہوتا تو ابھی تیر اسر اڑا دیتا، آنحضرت ﷺ عمر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''یہ بات زیبا نہیں، تم ان کا قرض ادا کرنے کی فکر کرو، ان کو لیجا کر روپے دو، ۲۰/صاع اور زیادہ دینا جو اس خفگی کا جرمانہ ہے'' زید نے عمرؓ سے روپیہ لیا اور چونکہ ان دونوں وصفوں کی اب تصدیق ہوگئی تھی اس لیے کلمہ توحید پڑھ کر فوراً مسلمان ہو گئے، اور اپنا نصف مال صدقہ کر دیا(۱) یہاں قبولِ اسلام پر کس کا جبر تھا؟

عبداللہ بن سلامؓ کا قبولِ پر کس کا جبر تھا؟

(۱۱) عبد اللہ بن سلام یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے، جس کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف پر منتہی ہوتا ہے، ایک بار اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروکش ہوئے، اس کی خبر

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۔المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی الناشر : دار الکتب العلمیة – بیروت، بحوالہ: آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

عبد اللہؓ بن سلام کو ہوئی، تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زیارت سے شرف اندوز ہوکر واپس گئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب ترکس کا مکان ہے، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں سب سے قریب رہتا ہوں یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا، جب آپ کا مستقر متعین ہوگیا، تو عبد اللہ بن سلام دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیا کے سوا کسی کو معلوم نہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا تو فوراً پکار اُٹھے ''اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ ﷺ'' اس کے بعد کہا کہ یہود ایک افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن الرئیس ہوں آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے؛ لیکن میرے مسلمان ہوجانے کی خبر نہ دیجئے گا، آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبد اللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، فرمایا وہ مسلمان ہوسکتے ہیں جواب ملا کبھی نہیں، عبد اللہ بن سلام مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے آواز دی، تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکلے آئے اور یہودیوں سے کہا : ذرا خدا سے ڈرو! تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے، یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا، انہوں نے غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا، عبد اللہ نے کہا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا۔(۱)

حضرت ضمادؓ کا قبول اسلام پر کس کا جبر تھا؟

(۱۲) حضرتِ ضمادؓ زمانہ جاہلیت میں آپکے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے وہ جنون کا

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۵۵۶

علاج کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تقریر کی ان الفاظ سے شروع کیا

"الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھدان الا الہ اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھدان محمدا عبدہ و رسولہ"

اس پر ان فقروں کا یہ اثر ہوا وہ بار بار سننے کا مشتاق ہوا اور کہا ہاتھ لائیں میں بیعت کرتا ہوں (۱)

حضرت عکرمہؓ کے قبولِ اسلام پر کس کا جبر تھا؟

(۱۳) ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اپنے باپ کی طرح عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگیں کرتا رہا، فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان عفو اور امان کے باوجود فتح مکہ کے موقع پر ایک دستے پر حملہ آور ہوا اور حرم میں خونریزی کا باعث بنا، اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے ہی وہ واجب القتل ٹھہرایا گیا تھا، لیکن مسلمانوں کے سامنے اس وقت کوئی نہیں ٹھہر سکا تھا، اس لئے فتح مکہ کے بعد جان بچانے کے لئے وہ یمن کی طرف بھاگ گیا، اس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی معافی کی طالب ہوئی تو آپؐ نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے اسے معاف فرما دیا، اور پھر جب وہ اپنے خاوند کو لینے کے لئے خود گئی تو عکرمہ کو اس معافی پر یقین نہیں آتا تھا کہ مَیں نے اتنے ظلم کئے ہوئے ہیں، اتنے مسلمان قتل کئے ہوئے ہیں، آخری دن تک میں لڑائی کرتا رہا تو مجھے کس طرح معاف کیا جا سکتا ہے، بہر حال وہ کسی طرح یقین دلا کر اپنے خاوند عکرمہ کو واپس لے آئی، جب عکرمہ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس بات کی تصدیق چاہی تو اس کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے احسان کا حیرت انگیز سلوک کیا، پہلے تو آپ دشمن قوم کے سردار کی عزت کی خاطر کھڑے ہو گئے کہ یہ دشمن قوم کا سردار ہے، اس لئے اس کی عزت کرنی ہے، اور پھر عکرمہ کے پوچھنے پر فرمایا

(۱) (صحیح مسلم)

کہ واقعی میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔(۱)

حضرت عکرمہؓ نے پھر پوچھا کہ اپنے دین پر رہتے ہوئے؟ یعنی میں مسلمان نہیں ہوا، اس شرک کی حالت میں مجھے آپ نے معاف کیا ہے، آپ نے مجھے بخش دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، اس پر عکرمہ کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور بے اختیار کہہ اٹھا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ واقعی بے حد حلیم اور کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن خلق اور احسان کا یہ معجزہ دیکھ کر عکرمہ مسلمان ہو گئے۔(۲)

حبشہ کی ہجرت کیوں ہوئی؟

(۱۴) بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال آپ کا قیام رہا اسی زمانے میں اور اسی حالت میں صدہا قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے ابو ذر غفاری شروع ہی زمانے میں مسلمان ہوئے اور جب واپس ہوئے تو ان کی دعوت سے نصف قبیلۂ غفار مسلمان ہو گیا، ہجرت سے قبل تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے (جو مشرف باسلام ہو چکے تھے) کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی نجاشی بادشاہ حبشہ حضرت جعفر طیار کی تقریر سن کر مشرف باسلام ہوا، ہجرت سے قبل مدینہ کے ۷۰/آدمیوں نے مقام منیٰ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، مصعب بن عمیر کے وعظ سے ایک ہی دن میں تمام قبیلہ بنی عبد الاشہل مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوا، بعد ازاں باقی ماندہ انصار بھی مشرف باسلام ہو گئے، یہ سب قبائل جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوئے، آخر ان پر کس کا جبر تھا؟۔

خلفائے راشدین پر کس کا جبر تھا؟

(۱۵) ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

---

(۱) (موطا امام مالک کتاب النکاح)

(۲) (السیرۃ الحلبیہ: ۱۰۹/۳، مطبوعہ بیروت)

اجمعین جنہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا، یہ بہادران اسلام بھی آیت جہاد و قتال کے نازل ہونے سے پہلے ہی اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے تھے۔

نجران وشام کے نصاریٰ پر کس کا جبر تھا؟

(۱۶) نجران اور شام کے نصاری کو کسی نے مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ بطور وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اسلام قبول کریں ہر طرف سے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا، وفور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے، جبر تو درکنار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان کے بلانے کے لئے بھی کوئی قاصد نہیں بھیجا تھا۔

اہلِ مکہ مکرمہ پر کس کا جبر تھا؟

(۱۷) قریش کی ستم گری محتاج بیان نہیں، شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد ان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے؛ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ ابن اثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیلی مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا: ”خدا کی قسم! اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا“ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، آخر گھبرا کر قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رُجوع کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھالو؛ چنانچہ پھر حسبِ دستور غلہ جانے لگا (۱) عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تفصیلات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن مواقع پر غیر مسلم افراد یا غیر مسلم گروہوں کو ایمان لانے پر مجبور کیا جاسکتا تھا، ان مواقع پر بھی آپ نے کبھی دین کے معاملے میں جبر اور دباؤ کا راستہ اختیار

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ر ۲ ص ر ۲۹۰

نہیں کیا، جو لوگ ایمان کے دامن میں آئے، اپنی مرضی اور خوشی سے آئے؛ کیوں کہ دین کے لئے جبر و دباؤ اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کا منشا انسان کا امتحان ہے اور امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کسی عمل پر آدمی کو مجبور نہیں کیا جائے؛ بلکہ اسے اختیار دیا جائے۔(۱)

مدینہ میں آمد مصطفی ﷺ سے قبل اسلام

(۱۸) بیعت عقبہ اولیٰ کے موقعہ پر حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ روانہ فرمایا، ان کی دعوت اس قدر پُر اثر ثابت ہوئی کہ اگلے سال حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ۷۵ رسلمانوں کو بیعت عقبہ ثانیہ کے لئے مکہ لے کر آئے، سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کے ہمراہ ۱۲ر انصار صحابہ کو نقباء مقرر فرما کر مدینہ رخصت کیا اور جب ہجرت مدینہ ہوئی تو مدینہ کے لوگوں کی غالب اکثریت اس حال میں مسلمان ہو چکی تھی کہ نہ تلوار اٹھائی گئی اور نہ ہی جہاد کا حکم نازل ہوا تھا۔

(۱)(ازقلم: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم)

مسلمانوں پر کفار کے ظلم کی وجہ کیا تھی؟

جبراً قبولِ کفر

جبراً اسلام میں داخل کروانے کے برعکس ایسے واقعات بے شمار ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار ومشرکین نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھائے، انہیں اسلام قبول کرنے سے روکا، اور اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے تو اس کو اذیتیں دیں اور اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا، یہاں قبولِ اسلام پر جبر ہے یا ترکِ اسلام پر جبر ہے؟ اور کیا مکی زندگی میں ظلم وجبر کرنے والوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم تھا؟ جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو اسلام نے اسی طرح کے ظلم وتشدد اور ناانصافی کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے۔

صحابہ کرامؓ پر قبول اسلام کی وجہ سے ظلم وجبر کے واقعات

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ اپنی بہن بہنوئی کو مسلمان ہونے کی سزا دینے کے لیے چلے تھے مگر قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے، مکی زندگی میں اسلام قبول کرنے والوں پر جو مظالم کئے گئے ان سے تاریخ کی کتابیں بھی بھری پڑی ہیں۔

☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب وہ اسلام لائے تو ان کے آقا امیہ نے ان پر بہت ظلم کیا، اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب دھوپ تیز ہو جائے تو بلال کو گرم پتھروں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے تا کہ حرکت بھی نہ کرسکیں، ان کی پیٹھ جل جل کر داغدار ہوگئی تھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس ستم کو سہتے تھے اُف نہ کرتے تھے، وہ کہتا تھا: بلال! اگر خیریت چاہتا ہے تو محمد کے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین پر لوٹ آ، ورنہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر اس کے جواب میں اَحد اَحد کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ایک دن حضرت ابو بکرؓ ادھر سے گذرے تو بلال رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہو گئے اور امیہ سے کہا "تو اس غریب کے معاملہ

میں اللہ سے نہیں ڈرتا، کب تک اس طرح ظلم کرتا رہے گا؟'' اس نے کہا آپ ہی نے تو اس کو خراب کیا اور بے دین بنایا ہے، آپ ہی اس کا حل نکالیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کے آقا سے خرید کر آزاد فرمادیا، تب جا کر ان کی یہ مصیبت ختم ہوئی۔

☆ حضرت یاسر قحطان کے رہنے والے تھے، مکہ مکرمہ آ کر بس گئے تھے، یہیں شادی کرلی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد یہ اپنے پوری گھرانے بیٹے عمار، عبداللہ، اور بیوی سمیہ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، چونکہ مکہ میں ان کا کوئی خاندان قبیلہ نہ تھا جو ان کی مدد کر سکے اس لئے قریش مکہ نے اس پورے گھرانے پر سخت مظالم کو روا رکھا، دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں ان کو لٹا کر اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے، کبھی پانی میں غوطے لگاتے کبھی انگاروں پر لٹائے جاتے، کبھی لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑے کئے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر وہ دور بڑا مشکل دور تھا، آپ ان کو دعائیں دیتے صبر کی تلقین کرتے اور جنت کی بشارت دیتے رہتے تھے۔

☆ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، ان پر بھی بوڑھی عورت ہونے کے باوجود بہت ستم ڈھائے گئے، ایک دن حسب معمول لوہے کی زرہیں پہنا کر ان لوگوں کو دھوپ میں ٹھہرایا ہوا تھا، اتنے میں ابوجہل ادھر سے گزرا تو اس بدنصیب نے اس بوڑھی عورت کی شرمگاہ پر صرف مسلمان ہونے کے جرم میں ایک برچھی اس زور سے ماری کہ اسی وقت شہید ہوگئیں، اس خاتون کو اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ کا شرف حاصل ہوا، اللہ تعالی نے ان کی جانب سے ابوجہل سے اس دنیا میں انتقام لیا، بدر کی جنگ میں ابوجہل جہنم رسید ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سنائی کہ تمہاری ماں کے قاتل کو اللہ تعالی نے قتل فرمادیا۔

☆ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں، یہ ام انمار کے غلام تھے، ام انمار آپ کو سخت اذیتیں پہنچاتی تھی، ایک دن دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ایک شخص کو ان کی

سینہ پر کھڑا کر دیا تا کہ وہ حرکت بھی نہ کر سکیں۔

☆ ابوفکیہہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، انہیں بھی ان کا آقا نا قابل تصور اذیتوں میں مبتلا کرتا تھا، کبھی زنجیروں میں باندھ کر گرم ریت پر گھسیٹتا اور کبھی بیڑیاں پہنا کر جلتی زمین پر الٹا لٹا دیتا تھا، ایک مرتبہ اسی حال میں گلا گھونٹ رہا تھا کہ صدیق اکبرؓ نے دیکھ لیا، آپ کو رحم آیا تو خرید کر آزاد فرما دیا۔

☆ حضرت زنیرہؓ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باندی تھیں، اسلام سے قبل انہوں نے ان پر بہت سختیاں کی تھیں، ابوجہل بھی ستاتا تھا، مگر وہ پوری ثابت قدمی سے اپنے دین وایمان پر قائم رہیں، اذیتوں کی شدت سے آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی، پھر اللہ کے حکم سے معجزاتی طور پر واپس آگئی۔

معزز لوگ بھی زد میں تھے یہ حضرات تو خیر غلام اور کمزور لوگ تھے جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان بدنصیبوں نے اسلام دشمنی میں اپنی قوم کے باعزت اور صاحب مرتبہ لوگوں کو بھی نہیں بخشا، مثلاً صدیق اکبرؓ جو کہ مکہ کے شریف و بااخلاق لوگوں میں سے تھے، تاجر تھے اور بہت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، مگر جب وہ ایمان لے آئے تو مکہ والوں کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ شخصیت بن گئے، ان ظالموں نے ایک مرتبہ انہیں اور حضرت طلحہؓ کو رسیوں سے باندھ کر جکڑ دیا تھا، ایک مرتبہ جب حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین سے چھڑانے کے لئے مجمع میں گھس پڑے تھے تو مشرکین غیظ و غضب کے عالم میں ان پر بھی جھپٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ زخمی ہو گئے۔

☆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں بڑی حیثیت کے آدمی تھے، جب وہ اسلام لائے تو حرم میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے انہیں اس قدر مارا کہ زمین پر گر پڑے، حضرت عباسؓ نے بیچ بچاؤ کر کے بچا لیا۔

☆ ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، واقعات ہجرت

کے ضمن میں آگے آرہا ہے۔

☆ حضرت عثمانؓ کوکسی اور نے نہیں خود ان کے چچا نے رسیوں سے باندھ کر پٹائی کی۔

☆ حضرت زبیرؓ بن العوام کی ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر آگ کی دھونی دیا کرتے تھے۔

یہ چند واقعات بطورنمونہ کے ذکر کئے گئے ہیں، ورنہ اسلام لانے اور اسلام کی مدد کرنے کے سلسلہ میں ان حضرات کے صبر و استقامت کے بے شمار واقعات ہیں، ان عبرتناک واقعات کا مطالعہ ایمان کی تازگی اور یقین کی مضبوطی کیلئے بے حد مفید ہے۔ اللہ اکبر! کیسی قربانیوں کے بعد اسلام کو سربلندی نصیب ہوئی۔(۱)

ان واقعات سے ہر انسانیت پسند اور عقلمند کو سمجھ میں آجائے گا کہ جبرواکراہ دخولِ اسلام میں نہ تھا، بلکہ دخولِ کفر میں تھا، الزام ہمیں دیتے ہیں قصور خود کا نکل آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کس وجہ سے؟

مکہ والے عام اور خاص مسلمانوں کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہر طرح تکلیف اور مصیبت میں مبتلا رکھتے تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن کہتا تو کوئی ساحر کہتا، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنون و پاگل پن کا طعنہ دیتا تو کوئی کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلطنت وحکومت کے شوق میں یہ سب کررہے ہیں، ابوجہل اور ابولہب تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئے تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلمہ لاالہ الااللہ کی دعوت کو لے کرلوگوں اور بازاروں میں نکلتے تو کوئی گالیاں دیتا تھا، کوئی سر مبارک پر خاک ڈالتا تھا، کوئی پتھر مارتا تھا اور کوئی آپ کے دروازے پر نجاست ڈال جاتا تھا، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ نے گلے میں پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ دم گھٹنے لگا اور

---

(۱) ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۵۶

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے، ایک مرتبہ قریش نے اس قدر مارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے، ایک مرتبہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل کے حکم سے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی اور سب مل کر ہنسنے لگے، بے چاری حضرت فاطمہؓ نے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اپنے والد کی پیٹھ سے اس اوجھڑی کو ہٹایا، ایک مرتبہ دوستوں کے ورغلانے سے عقبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔(۱)

اسلام لانے کی پاداش میں مسلمانوں اور ان میں سے بھی فقرا اور غربا اور کمزور طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو کفار مکہ کی جانب سے سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا؛ لیکن چوں کہ انھوں نے کسی ظاہری لالچ یا خوف کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ دل کی رضا سے اسلام قبول کیا تھا؛ اس لیے ان کے ایمان ویقین میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی؛ بلکہ انھیں جتنا زیادہ تکلیفوں سے گزارا گیا، ان کی قوتِ ایمانی میں اتنا زیادہ اضافہ ہوتا گیا، یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس دور میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ جس میں کسی شخص نے اسلام لانے کے بعد اس دین سے نفرت اور ناپسندیدگی کی وجہ سے رِدَّت اختیار کر لی ہو یا اسے کفار ومشرکین کے مکر وفریب نے اپنے دین اور مذہب سے بیزار کر دیا ہو؛ بلکہ اس کے برخلاف ہمیں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن میں بعض مسلمانوں کو جب اسلام کے راستے میں سخت سے سخت عذاب دیا گیا، انھیں آگ میں ڈالا گیا یا ننگی جلتی ہوئی ریت پر کھلے بدن گھسیٹا گیا، تو انھیں ایک خاص قسم کی روحانی لذت، ٹھنڈک اور حلاوت محسوس ہوئی۔

اسلام میں جبر ہوتا تو ایک بھی غیر مسلم نہ رہتا

جو لوگ اسلام تلوار کے زور سے پھیلنے کی بے بنیاد باتیں کرتے ہیں، نہ وہ اسلام کی روح سے واقف ہیں اور نہ اس کی تاریخ سے، اگر ہم تاریخ کی بات کریں تو اسلام کے کسی بھی

(۱) (ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۵۶ تا ۵۹)

دور میں مسلمان ہونے کے لیے کسی بھی شخص پر کسی طرح کی کوئی زبردستی نہیں کی گئی، اور نہ کسی کو کوئی لالچ دیا گیا، اگر اسلام میں زور زبردستی کا رجحان ہوتا تو آج ہندوستان میں ایک بھی غیر مسلم نظر نہ آتا، کیوں کہ یہاں ہم نے ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے، اس کے باوجود یہاں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے، اسلام زور زبردستی نہیں کرتا اور لالچ کے ذریے مذہب قبول کرنے والوں کی ہمت افزائی نہیں کرتا، اور نہ ایسا اسلام معیار ہے، جو بادل ناخواستہ اور زور زبردستی سے قبول کیا گیا ہو۔

جبراً تبدیلیٔ مذہب تاریخ کی روشنی میں

ہندوستان میں اسلام کب آیا؟

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام اس ملک میں محمد بن قاسم، یا غزنوی یا غوری یا مغلوں کے ساتھ نہیں آیا، اسلام تو اس ملک میں اس سے بہت پہلے خلیفۂ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں آچکا تھا، ہندوستان کا جنوبی ساحلی علاقہ جو مالابار کہلاتا ہے، وہاں سری لنکا سے گزرتے ہوئے عرب تجار پہنچے، انھوں نے اپنی خوش اخلاقی، دیانتداری، راست گوئی، عہد کی پختگی، مقامی باشندوں کے ساتھ حُسن سلوک اور ہمدردی وغمخواری کے ذریعہ لوگوں کے دل جیتے، وہ حملہ آور نہیں تھے، وہ محبت کے سوداگر تھے، انھوں نے فولاد کی تلوار سے نہیں؛ بلکہ اخلاق کی تلوار سے لوگوں کے دل ودماغ کو فتح کیا، اور جو لوگ برہمنوں کے ظلم وستم سے عاجز تھے، انھوں نے ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر ان کا استقبال کیا، بڑی تعداد میں لوگ اپنی رضاء ورغبت سے مسلمان ہوئے، یہاں تک کہ عوام کے ساتھ ساتھ بعض حکمرانوں نے بھی اسلام قبول کیا، یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں ہے؛ بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اور تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

ملکِ عزیز پر مسلمانوں کی حکومت

یہ تو ایک واضح سچائی ہے کہ باوجودیکہ کم وبیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی؛ لیکن آج بھی ان کی تعداد دنیا کی مجموعی آبادی کا زیادہ سے زیادہ ۲۲ / فیصد ہے، یعنی سات ارب میں سے ایک ارب ستر کروڑ کے لگ بھگ، یہ بھی اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں نے دین کی اشاعت میں زبردستی سے کام نہیں لیا؛ کیوں کہ اگر وہ چاہتے، تو کم ازکم اپنی سیاست کے عروج کے زمانے میں تو ایسا کر ہی سکتے تھے کہ دنیا بھر کی قوموں کو شمشیر کی نوک پر اسلام کے دائرے میں داخل کر لیتے؛ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

سمرقند میں اسلام کی آمد کیسے ہوئی؟

سمرقند(۱) کے لوگوں کے دامن اسلام میں آنے کی تاریخ بہت دلچسپ بھی ہے سرمایۂ عبرت بھی، جب قتیبہ نے اس شہر کو فتح کیا تو یہاں عیسائیت کا بول بالا تھا، جو شہر کا سب سے بڑا کاہن تھا، اس نے قاضی شہر کے پاس قتیبہ کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ اس کی فوج نے شہر کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے؛ لیکن نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی اور نہ ہمیں غور کرنے کی مہلت دی گئی، قاضی نے جب قتیبہ سے جواب طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ جنگ تو چالبازی کا نام ہے، یہ تو بڑا شہر ہے، اس کے قرب وجوار میں جو شہر ہیں، وہ مقابلہ ہی پر اڑے رہے، نہ مسلمان ہونا قبول کیا، اور نہ جزیہ دینا؛ اس لئے مجھے ان کے اسلام قبول کرنے کی امید نہیں تھی۔''

---

(۱) سمر کے معنی ازبکی زبان میں قلعہ کے ہیں اور قند کے معنی زمین اور شہر کے ہیں، کیونکہ اس شہر میں کثرت سے قلعہ نما عمارتیں بنائی گئی ہے غالبا اسی لیے اس کو سمرقند کا نام دیا گیا کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ ''گھرکند'' تھا جسکے کے معنی ''نیلے شہر'' کے ہیں، شاید اسی لیے یہاں کثرت سے نیلے گنبد مختلف تعمیرات کا حصہ ہے، مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی اس شہر کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے، یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں یونیسکو کے ریکارڈ کے مطابق یہ ۲۷۵۰ر سال قدیم شہر ہے، جس کا قدیم نام ''اسمار'' تھا اس نے ۵۰ھ میں اس شہر کو فتح کیا، پھر اس کا قبضہ ہاتھ سے نکل گیا تو دوبارہ سن ۹۰ھ میں فتح کیا، تیمور نے اس شہر کو اپنے وسیع وعریض سلطنت کا دارالخلافہ بنایا، اس کی رونق کو چار چاند لگائے، ہندوستان کے مغل فاتح بابر کی پیدائش تو فرغانہ میں ہوئی لیکن ایک درجے میں اس کا تعلق سمرقند تھا، اس کا نسب باپ کی طرف سے تیمور سے اور ماں کی طرف سے چنگیز خان سے ملتا تھا، وہ افغانستان سے گزر کر درہ خیبر کی طرف سے ہندوستان پہنچا اور یہاں ایسی مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی جو تقریبا چار سو سال قائم رہی، حقیقت یہ ہے کہ سمرقند خوبصورت عمارتوں کا ایک حسین گلدستہ ہے، اور ہر عمارت اپنی جگہ فن تعمیر کا شاہکار ہے، سمرقند میں عالیشان مسجدیں ہیں اور ہر مسجد ایسی ہے کہ ''دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست''، لیکن ''بی بی خانم'' کو اپنی وسعت طرز تعمیر اور خوبصورتی کے اعتبار سے نمایاں حیثیت حاصل ہے، یہ امیر تیمور کی سب سے بڑی بی بی خانم منسوب ہے، اس کے سامنے امیر تیمور کا بی بی خانم کیلئے بنوایا ہوا محل ہے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں الفاظ میں اس کا نقشہ نہیں کھینچا جاسکتا۔

إِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ وَهَذَا بَلَدٌ عَظِيمٌ قَدْ أَنْقَذَهُ اللهُ بِنَا مِنَ الْكُفْرِ وَأَوْرَثَهُ الْمُسْلِمِينَ"۔

قاضی نے پوچھا: کیا تم نے ان کو اسلام یا جزیہ کی دعوت دی تھی؟ قتیبہ نے کہا: نہیں! قاضی صاحب نے کہا۔ " إِنَّكَ قَدْ أَقْرَرْتَ "۔"تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا"۔

آگے قاضی کے الفاظ پر غور کریں: 'اللہ رب العزت نے اس امت کی مدد صرف اس وجہ سے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا، اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے، نہ ہی حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد تھا، میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلم فوج اس ملک سے نکل جائے، سارے مسلمان شہر خالی کر دیں، دوکانات ومکانات کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، اور سمرقند میں کوئی مسلمان نہ رہے، اس کے اصل باشدوں کو حکومت واپس کریں، پھر اس کو دعوت دین دیں، چیلنج دیں اور پھر ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔

"وَإِنَّ اللهَ مَا نَصَرَ هَذِهِ الأُمَّةَ إِلَّا بِاتِّبَاعِ الدِّينِ وَاجْتِنَابِ الْغَدَرِ، وَإِنَّا وَاللهِ مَا خَرَجْنَا مِنْ بُيُوتِنَا إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِ اللهِ مَا خَرَجْنَا لِنَمْلِكَ الأَرْضَ، وَلَا لِنَعْلُوَ فِيهَا بِغَيْرِ الْحَقِّ، حَكَمْتُ بِأَنْ يَخْرُجَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْبَلَدِ، وَيَرُدُّوهُ إِلَى أَهْلِهِ ثُمَّ يَدْعُوهُمْ وَيُنَابِذُوهُمْ وَيُعْلِنُوا الْحَرْبَ عَلَيْهِمْ"

کاہنوں کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی؛ مگر اس کا اعلان کر دیا گیا اور رات ہونے سے پہلے سارے لوگ شہر سے باہر نکل گئے، وہ عظیم فوج جس کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ جس نے قیصر وکسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر رکھ دیا۔ جو طاقت بھی اس کے راستے میں آئی، اسے وہ خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئے۔ مگر آج وہی فوج ایک کمزور سے جسم کے مالک قاضی کے سامنے سرنڈر ہوگئی

ہے، سورج ڈوبنے کے بعد سمرقند کے ویران راستوں پر کتے بھونکنے لگے، اور مسلمانوں جیسی رحم دل قوم کے شہر سے چلے جانے پر لوگوں کو اتنا صدمہ ہوا کہ ہر گھر سے آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں، یہاں تک کہ کاہنوں کا گروہ بھی اس کو گوارہ نہ کرسکا، اور سمرقند کے لوگ فوج درفوج اس حال میں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی کی طرف بڑھے، بڑا کاہن آگے آگے تھا اور لوگوں کا جم غفیر پیچھے پیچھے، سب کی زبانوں پر کلمۂ شہادت تھا، شاید ہی تاریخ میں ایسی مثال ملے کہ فاتح کے اخلاق سے متأثر ہو کر مقدمہ اپنے حق میں ہونے کے باوجود ایک پوری قوم نے فاتح گروہ کا مذہب قبول کرلیا ہو، افسوس کہ مسلمان فاتحین نے اس بات پر کم توجہ دی کہ زمینیں تو فولادی تلوار سے فتح کی جاتی ہیں؛ لیکن دل و دماغ اخلاق کی تلوار سے فتح کئے جاتے ہیں۔(۱)

اسپین میں مسلمانوں کے ۸۰۰ / برس حکومت

مسلمانوں نے سپین میں تقریباً ۸۰۰ / سال حکومت کی اور وہاں لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی، بعد میں صلیبی عیسائی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے وہاں سے مسلمانوں کا صفایا کردیا اور پھر سپین میں ایک بھی مسلمان ایسا نہ تھا جو آزادی سے ''اذان'' دے سکے، یہاں کس نے جبر کیا اسلام قبول کرنے پر اور کس نے جبر کیا اسلام اور ملک چھوڑنے پر؟

انڈونیشیا اور ملیشیا میں اسلام

دُنیا بھر کے ممالک میں سے انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اسی طرح ملیشیا میں بھی اکثریت مسلمانوں کی ہے، اب کوئی ان سے پوچھے کہ کون سی اسلامی فوج انڈونیشیا اور ملیشیا گئی تھی؟ یہاں مسلم تاجروں کی تجارت اور ان کے اخلاق کی خوبی اور

(۱) عبدالملک مجاہد صاحب، بحوالہ : ''رجال من التاریخ''، شیخ علی طنطاوی۔

معاملات کی صفائی سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

افریقہ کے مشرقی ساحل میں اسلام

اسلام بہت تیزی سے براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل پر پھیلا، مستشرقین بتائیں گے کہ اگر اسلام تلوار کے ذریعے سے پھیلا تو کونسی اسلامی فوج افریقہ کے مشرقی ساحل پر گئی تھی؟

نصف صدی میں عالمی مذاہب کے پیروکاروں میں اضافہ

۱۹۸۶ء میں ریڈرز ڈائجسٹ کے ایک مضمون میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء تک نصف صدی میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے پیروکاروں کی تعدار میں فیصد اضافے کے اعداد وشمار دئے گئے تھے، یہ مضمون ’’صاف سچ‘‘(The Plain Truth)نامی جریدے میں بھی چھپا، ان میں سرفہرست اسلام تھا، جس کے پیروکاروں کی تعداد میں ۲۳۵ر فیصد اضافہ ہوا اور عیسائیت میں اضافہ صرف ۴۷ر فیصد رہا، پوچھا جاسکتا ہے کہ اس صدی میں کون سی مذہبی جنگ لڑی گئی؟ جس نے لاکھوں لوگوں کو مسلمان کر دیا۔

تقریباً ڈیڑھ کروڑ عرب نسلی عیسائی ہیں

مسلمان دنیائے عرب پر ۱۴۰۰ر سال سے حکمران ہیں، اس کے باجود ابھی تک ۱۴ر ملین یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو نسلوں سے عیسائی ہیں، جیسے مصر کے قبطی عیسائی، اگر اسلام تلوار یا طاقت کے زور سے پھیلا ہوتا تو عرب میں ایک بھی عیسائی نہ ہوتا۔

موجودہ زمانے میں اسلام پر باقی رہنے میں کسکا جبر ہے؟

بعد کے زمانوں میں جب اپنی سیہ کاریوں اور عملی زوال کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی برتری جاتی رہی اور دنیا بھر سے ان کی حکومت وسیادت چھین کر قدرت نے غیروں کے ہاتھوں میں تھما دی، تاتاریوں نے مسلمانوں کو تہہ وبالا کیا، صلیبیوں نے مکروسازش اور ظلم و

جور کے کھیل کھیلے اور اب گزشتہ صدی سے سامراجیت دنیا پر اپنا نقشہ جمائے اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مصروفِ تدبیر ومنصوبہ بندی ہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں کی کوئی ظاہری طاقت وقوت نہیں، نام نہاد اسلامی مملکتوں میں انتشار وخلفشار ہے، مسلم قیادت جاں بلب ہے، مسلمانوں کے علمی وسائنسی سوتے تقریباً خشک ہو چکے ہیں، عالمی معیشت سامراجی نظام کے علم برداروں کے ہاتھ میں ہے، عالمی سیاست کی گاڑی ان ہی کی بنائی ہوئی پٹری پر چل رہی ہے، دنیا بھر کو قرض فراہم کرنے والا عالمی بینک ان کے پاس ہے، تہذیب وثقافت اور ترقی وعروج کے ہزار وسائل، نعرے، منزلیں اور سنگ ہائے میل خوش قسمتی سے ان کی پابوسی کر رہے ہیں؛ مگر اس سب کے باوجو کوئی بتائے کہ کیا دنیا بھر کی مسلمان نسل اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف رخ کر رہی ہے، یہ تو روزانہ ہو رہا ہے کہ دنیا بھر کے ملکوں میں اسلام کا مطالعہ کرنے والوں، اس کے حقائق تک رسائی حاصل کرنے والوں اور اس کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اس کے دامن میں پناہ لینے والوں کی تعداد میں لگاتار اور روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے؛ مگر کہیں سے ایک بھی ایسی خبر نہیں کہ مسلمان اپنے دین سے بیزار ہو کر یا کسی دوسرے دین اور مذہب کی خوبی سے متاثر ہو کر اس کی جانب مائل ہو گئے ہوں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے آبا واجداد نے بھی دل کی گہرائی اور روح کے اطمینان کے ساتھ ایمان کو قبول کیا تھا اور وہ بھی اپنے اندر پائی جانے والی ہزار خامیوں کے باوجود اس مذہب کی صحت وصداقت کو دل وجان سے مانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس وقت عالمی سطح کے تمام سرکاری وغیر سرکاری سروے کی رپورٹوں سے یہ پتا چل رہا ہے کہ دنیا بھر میں اور خصوصاً ان ملکوں میں، جہاں اسلام مخالف تحریکوں کو ہوا دی جاتی؛ بلکہ جہاں سے ایسی تحریکوں کے بدبودار چشمے اُبلتے ہیں، ان ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد لگاتار بڑھ رہی ہے، مغربی معاشرہ اور وہاں کے اصول واقدار نے لوگوں کو اس قدر پریشان اور بے چین کر رکھا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف ہزار بہتان طرازیوں کے باوجود اس کی سچائیوں کا

پوری غیر جانب داری کے ساتھ مطالعہ کرتے اور پھر اس کے دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان خطوں کے ایسے لوگوں کو تو کوئی بھی مسلم داعی یا مبلغ یا حکومت، اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر رہی۔(۱)

مسلم ممالک میں کیا جبر چل رہا ہے؟

آج دنیا کے جو ممالک سب سے زیادہ مسلم آبادی والے شمار کیے جاتے ہیں، ان کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ وہاں کبھی مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی، ان مقامات پر اسلام کی اشاعت کا ذریعہ مسلم تاجروں، علماء کے اخلاق و عادات اور اسلام کی شفاف تعلیمات رہی ہیں، مثلاً انڈونیشیا، چین، افریقہ کے متعدد ممالک، یورپی ممالک اور امریکہ میں جو مسلمانوں کی تعداد لگاتار بڑھ رہی ہے، تو کیا ان لوگوں کو تلوار کے زور پر اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے؟ اسلام پر انتہا پسندی وتشدد کا الزام لگانے والوں کو مغرب کے ان نومسلموں سے تحقیق کرنی چاہیے اور پوچھنا چاہیے کہ انھوں نے اپنے سابق مذہب سے توبہ کرکے اسلام کو کیوں اپنالیا؟ تب انھیں یقیناً اصل حقیقت کا پتا لگ جائے گا، ان تمام خطوں میں اسلام اپنی سماحت، اعتدال پسندی، اپنے فطری اور انسانی ذہن وفکر کو اپیل کرنے والے اصول کی وجہ سے پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے، ہمیں روزانہ اسلام کے دائرے میں آنے والوں کی خبریں مل رہی ہیں، پھر جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، وہ کبھی اس سے بیزاری یا دست برداری کا تصور بھی نہیں کرتے؛ حالاں کہ عصرِ حاضر کے پشتینی مسلمان تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے اپنے فریضے کو ادا کرنے میں اس دل چسپی اور سنجیدگی کا مظاہرہ بھی نہیں کر رہے، جو ان سے اسلام چاہتا اور جس کی نبی پاک نے اپنے آخری دور میں انھیں تلقین کی تھی، جس قدر اہمیت اور سرگرمی کے ساتھ عیسائی مشنریز اپنے نظریات وخیالات وعقائد کی

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ12، جلد 98 :صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

تبلیغ واشاعت میں جدو جہد صرف کر رہی ہیں، اگر مسلمان اس کا عشرِ عشیر بھی کریں، تو سال بہ سال اسلام لانے والوں کی تعداد نہ معلوم کس برق رفتاری اور کثرت کے ساتھ بڑھنے لگے۔ اسلام اور اس کی اشاعت کے حوالے سے یہ وہ حقائق ہیں، جنھیں کوئی بھی غیر جانب دار انسان تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اگر ان کے باوجود دشمنانِ اسلام جھوٹے پروپگنڈوں میں مصروف ہیں اور وہ دنیا میں اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے اور پیغمبرِ اسلام اور قرآن کی تعلیمات میں تحریف کرکے دنیا کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں، تو ایسے لوگوں کے بارے میں تو ہم وہی کہیں گے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی لاثانی معجزاتی کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

"كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ، اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" (۱)

ٹامس کارلائل کا تجزیہ

معروف مستشرق عالم ٹامس کارلائل (۱۸۸۱-۱۷۹۵/) نے اپنی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" On Heroes, Hero-wership,and the Heroic in History میں جہاں نبی پاک کو تمام انبیاء کے سردار کے طور پر مانا اور پیش کیا ہے، وہیں اس نے اسلام کی اشاعت میں تلوار کے عمل دخل کو قطعاً جھوٹ اور دروغ گوئی قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس بات کو بہت ہوا دی گئی کہ محمد ﷺ نے اپنے دین کو تلوار کے ذریعے پھیلایا ہے، اگر دین تلوار کے ذریعے پھیلا تھا تو یہ دیکھنا ہے کہ وہ تلوار آئی کہاں سے تھی، ہر نئی رائے آغاز میں صرف ایک اکیلے شخص کے ذہن میں جنم لیتی ہے۔ ابتداء میں صرف ایک شخص اس رائے پر یقین رکھتا ہے، ایک آدمی ایک طرف ہوتا ہے اور ساری انسانیت دوسری طرف، ان حالات میں وہ اکیلا شخص تلوار لے کر کھڑا ہو جائے اور اپنی رائے کی تبلیغ

---

(۱)(الکہف ۵:)(ماہنامہ دارالعلوم شمارہ12، جلد 98 : ،صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

تلوار کے زور سے شروع کردے تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا، پہلے تلوار حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مختصر یہ کہ ابتداء میں ہر چیز اپنی استطاعت کے مطابق اپنا پر چار خود کرتی ہے، عیسائی مذہب کے متعلق بھی تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ جب تلوار اس کے ہاتھ میں آگئی تو اس کے بعد بھی ہمیشہ اس نے اس کے استعمال سے پرہیز کیا، شارلمان نے سیکس قبائل کو تبلیغ کے ذریعے عیسائی نہیں بنایا تھا۔(۱)

مؤرخ ڈی لیسی اولیری کی تبصرہ

انگریز مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی کتاب Islam at the Cross Road صفحہ ۸ ر میں بہترین انداز میں لکھا ہے: ''تاریخ بہرحال یہ حقیقت واضح کردیتی ہے کہ مسلمانوں کے متعلق روایتی تعصب پر مبنی کہانیاں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور اس کے ذریعے سے جنونی مسلمان دنیا پر چھا گئے، یہ سب نامعقول اور فضول افسانے ہیں جنھیں مؤرخین نے بار بار دوہرایا ہے۔''

ڈاکٹر جوزف آدم پیٹرسن کا اعلانِ حقیقت

ڈاکٹر جوزف آدم پیٹرسن صحیح کہتے ہیں: ''جو لوگ فکر مند ہیں کہ ایٹمی ہتھیار ایک دن عرب لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، وہ اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں کہ اسلامی بم تو پہلے ہی گرایا جاچکا ہے، یہ اس دن گرا تھا جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوئے تھے''۔(۲)

(۱)(آن ہیروز اینڈ ہیروورشپ' ص ۵۹۳، ۶۹۳ محمد المثل الأعلیٰ، تعریب : محمد السباعی، ص۲۱:، مکتبۃ النافذۃ، مصر ۲۰۰۸ء)

(۲)(اسلام پر چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی جوابات: ۵۵)

مذہبی آزادی ہندوستانی آئین کی روشنی میں

سیکولر ملک مگر مذہبی آزادی پر حملہ

یہ ایک انتہائی عجیب بات ہے کہ جمہوری نظام کو ایک جانب یہ دعوی ہے کہ اس نظام کے تحت چلائی جانے والی حکومتوں میں اس کے باشندوں کو اپنے اپنے مذہب وعقیدے پر عمل کرنے کی آزادی ہوتی ہے اور دوسری جانب وعملا اس کے خلاف قانون سازی کرتا ہے، چناں چہ متعدد مغربی ملکوں میں آج بھی تمام باشندوں کے لیے ایک ہی قانون لاگو کیا گیا ہے اور سب کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اسی کے مطابق اپنے تمام امور میں عمل کریں، خواہ وہ عیسائی ہوں، یا مسلمان ہوں یا ہندو یا اور کوئی، اور مسئلہ خواہ شادی ونکاح کا ہو یا طلاق فسخ نکاح کا، یا جائیداد کی تقسیم کا یا کوئی کچھ ہو۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی جمہوری ملک ہے اور اس کے قانون نے بھی یہاں کے سب باشندوں کو یکساں طور پر یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے سلسلے میں آزاد ہیں، ان کو ان کے مراسمِ عبادت ادا کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق حلال وحرام چیزوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا پورا پورا حق ہے اور اہلِ ہند کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ بہت حد تک یہاں کی حکومتیں اس آئین وقانون کی پابندی کرتی ہیں؛ مگر کبھی کبھی بعض جمہوریت کے دشمن عناصر اس بنیادی قانونی حق کو غبن کرنے کی کوشش شروع کرتے ہیں، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہمارے اس دیش میں مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ”گاؤکشی“ کو ممنوع قرار دینے کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اور آئے دن آواز لگائی جاتی ہے کہ گاؤکشی پر پابندی لائی جائے؛ حالاں کہ یہ اس بنیادی قانونی حق کے خلاف ہے، جو یہاں کا جمہوری آئین مذہبی آزادی کے سلسلے میں یہاں کے باشندوں کو دیتا ہے، اسی طرح کبھی طلاق کے مسئلے میں بھی نکاحوں کے بارے میں کبھی اذان اور نماز کے بارے میں آوازے کسے جاتے ہیں اور ان کے پرسنل لاء میں مداخلت کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ حال ہے آج کے سیکولر نظاموں کا جو

دنیا میں رائج ہیں۔(۱)

مذہبی آزادی کا حق دراصل اسلام نے دیا ہے

کس قدر عجیب بات ہے کہ بہت لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ دنیا میں مذہبی آزادی کا تصور اگر کسی نے پیش کیا ہے، تو وہ ڈیموکریسی نظام نے پیش کیا ہے، مگر یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے، جس کی بنیاد تاریخ سے عدم واقفیت ہے۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مذہبی آزادی کا تصور اسلامی قانون کی دین ہے؛ چناں چہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے قانون کی اہم دفعات میں جہاں اپنی غیر مسلم رعایا کی جان و مال و آبرو و عزت اور ان کے عبادت گاہوں کی حفاظت کو شامل کیا تھا، وہیں اسکو بھی شامل کیا کہ ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

سب سے پہلے اسلام نے اپنے قانون میں مذہبی آزادی کا وہ واضح تصور پیش کیا کہ آج جمہوری حکومتوں کے ایوانوں سے اس کی آوازِ بازگشت سنائی دے رہی ہے، اگر چہ یہ حکومتیں آج تک بھی صحیح طور پر اس کو اپنے نظام میں نافذ العمل نہیں کرسکی ہیں۔

آثارِ صحابہؓ اور مذہبی آزادی

حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب ملک شام فتح کیا اور وہاں ایلیاء وغیرہ علاقوں کے لوگوں کو عہد نامے لکھ کر دیے گئے، تو ان میں سے اہلِ ایلیا اور اہل لد کو جو عہد نامہ لکھوایا تھا، اس میں یہ بھی تھا:

أعطالهم أماناً لأنفسهم، وأموالهم، ولكنائسهم، وصُلبانهم و سَقيمِها، و بريئها، و سائر ملتها :أنه لا تُسكَن كنائسُهم، ولا

---

(۱) نقوشِ خاطر: ۱۹۲

تُهدمُ، ولا يُنتقَص منها، ولا من حيزها، ولا من صليبهم، ولا من شيءمن أموالهم، ولا يكرهُون على دينهم.

(امیر المؤمنین عمر نے ان کو جان و مال، عبادت خانوں صلیبوں کے متعلق امن دیا، خواہ وہ بیچ سالم ہوں یا شکستہ اور ان کے مذہبی مراسم وطریقوں کے بارے میں بھی امن دیا کہ (مسلمانوں کو) ان کے عبادت خانوں میں نہ رہائش دی جائے گی، نہ ان کو گرایا جائے گا اور نہ ان میں کمی بیشی کی جائے گی اور نہ ان کے عبادت خانوں کی متعلقہ عمارتوں میں یا صلیبوں میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ان کے مالوں میں سے بغیر حق کے کھایا جائے گا اور نہ ان کو ان کے مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔)

نیز حضرت عمرؓ کے دور امارت میں ۱۹ھ میں شہر نہاوند فتح ہوا اور اہل ماہین کو حضرت نعمان بن مقرن نے صلح نامہ لکھ کر دیا اس میں جو لکھا گیا تھا، اس کا ایک جملہ یہ بھی تھا:

" أعطاهم الأمان على أنفسهم، و أموالهم، و أراضيهم، ولا يغيرون على ملة، ولا يُحالُ بينهم وبين شرائعهم"۔

"ان کو ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی زمینوں کے متعلق امان دیا جاتا ہے اور ان کے مذہب سے ان کو بدل نہیں جائے گا اور ان کے اور نہ ان سے مذہبی مراسم وطریقوں میں مداخلت کی جائے گی"۔

اسی طرح حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے محرم ۱۹ھ میں اہل ماہ دینار کو جو خط تحریر کر کے دیا، اس میں لکھا ہے:

"أعطاهم الأمان على أنفسهم وأموالهم وأراضيهم، ولا يغيرون عن ملة، ولا يحال بينهم وبين شرائعهم۔

(ان کو ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی زمینوں کے متعلق

امان دیا جاتا ہے اور ان کے مذہب سے ان کو بدلا نہیں جائے گا اور ان کے اور نہ ان کے مذہبی مراسم وطریقوں میں مداخلت کی جائے گی۔)

جب شہر بعلبک مفتوح ہوا، تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک عہد نامہ دیا، جس میں منجملہ اور امور کے ایک بات یہ لکھی تھی:

وأنهم على نسكهم، لايكرهون عليه۔

یہ غیر مسلم لوگ اپنے مذہبی طریقے پر رہوں گے، ان کو اس کے خلاف مجبور نہیں کیا جائے گا۔

مذہبی آزادی فقہ کی روشنی میں

حضرات فقہائے کرام نے اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ خرید وفروخت کے تمام معاملات میں وہ مسلمانوں ہی کی طرح ہوں گے، سوائے ان امور کے جن میں ان کا دین ومذہب اس کے خلاف ہے کہ وہ ان امور میں اپنے دین وشریعت کے مطابق کریں گے۔

ہدایہ جو فقہ اسلامی کی ایک معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے:

”وأهل الذمة في البياعات كالمسلمين ... إلافي الخمر والخنزير خاصة ؛ فإن عقدهم على الخمر كعقدالمسلم على العصير، وعقدهم على الخنزير كعقد المسلم على الشاة؛ لأنها أموال في اعتقادهم، ونحن نأمرنا أن نتركهم ومايعتقدون.“(۱)

ذمی لوگ (اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندے) تمام معاملات میں مسلمانوں ہی طرح ہوں گے، سوائے شراب اور خنزیر کے بارے میں خاص طور پر (وہ اپنے عقیدے پر عمل کرسکتے ہیں) کیوں کہ ان کا شراب کا

(۱) ہدایہ: ۹۷/۳

معاملہ کرنا، ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کا شربت کا معاملہ کرنا اور ان کا خنزیر کا معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا بکری کا معاملہ کرنا، اس لیے یہ شراب اور خنزیر ان کے نزدیک مال شمار ہوتے ہیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے دین وعقیدے کے درمیان مداخلت نہ کریں۔)

فقہ اسلامی کا عظیم انسائیکلو پیڈیا 'مبسوط امام سرخسی' میں ہے:

"وهو في جميع بياعاته بمنزلة المسلم إلا في الخمر والخنزير"(۱)

"اور وہ یعنی غیر مسلم تمام معاملات میں مسلمان ہی کی طرح ہوگا سوائے شراب وخنزیر کے"

فقہ اسلامی کی ایک اور مستند کتاب :تبيين الحقائق اور اسی کے قریب قریب "البحر الرائق" میں لکھا ہے:

فكل ماجازللمسلمين من البياعات كالصرف، والسلم ، وغيرهما من أنواع التصرفات جاز لهم ، وما لايجوز من الربا وغيره لايجوز لهم إلافي الخمر والخنزير، فإن عقدهم فيهما كعقد المسلم على العصير و الشاة..... لأنهما أموال نفيسة عندهم..وهذاإناأمرناأن نتركهم ومايعتقدون"۔(۲)

پس جو کچھ مسلمانوں کے لیے جائز ہے، وہ غیر مسلم رعایا کے لیے بھی جائز ہے، جیسے بیع صَرف بیع سلم وغیرہ اور جو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، وہ ان کے لیے بھی جائز نہیں ہوگا، جیسے سود وغیرہ، سوائے شراب وخنزیر کے؛ کیوں کہ ان کا ان دونوں کے بارے میں معاملہ

---

(۱) مبسوط امام سرخسی :۲۹/۱۱۰

(۲) تبیین الحقائق ۳۳۰/۱۱، البحر الرائق ۲/۱۸۸

کرنا ایسا ہے جیسے مسلم کا شیرہ اور بکری کا معاملہ کرنا..... کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ان کے نزدیک بہترین مال ہیں....... اور ان کے حق میں جائز ہونا اس لیے ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو اور ان کے دینی مراسم کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔)

یہی بات "الجوهرة النيرة" (۲/ ۳۴۲) اور "اللباب في شرح الكتاب" : (۱/ ۱۳۰) "العناية" وغیرہ فقہی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

معاملات کے علاوہ معاشرت میں مذہبی آزادی

یہ بات صرف ان دو تک محدود نہیں ہے، بل کہ حسب تصریح اللباب منیتہ ومردار کی بیع ومجوسی کا ذبیحہ وغیرہ میں بھی ہے۔

اسی طرح شادی ونکاح کے مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر وہ نکاح جو اہل اسلام میں کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حرام ہوتا ہے جیسے نکاح بلا گواہ یا عدت کے اندر نکاح، اگر یہ غیر مسلموں کے یہاں ان کے عقیدے کے مطابق جائز ہے، تو ان کا نکاح مانا جائے گا اور ان کو اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا، اسی طرح اپنے محرموں سے وہ نکاح کریں (جیسے ہندوؤں میں ماموں بھانجی کا نکاح ہوتا ہے) تو چوں کہ ان کے اعتقاد میں یہ جائز ہے؛ لہٰذا اس کو برقرار رکھا جائے گا۔(۱)

الغرض بتانا یہ ہے کہ اسلامی قانون نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو مذہبی آزادی عطا کی ہے اور ان کے عقیدے کے مطابق ان کو چلنے کا اختیار دیا ہے۔

یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلامی قانون میں جو کہ اللہ کا دیا ہوا قانون ہے، شراب اور خنزیر حرام اور سخت حرام چیزیں ہیں، ان کی خرید وفروخت اسلامی مملکت میں ممنوع ہے حتی کہ شراب پینے والے پر اسلامی قانون میں اخروی عذاب کے علاوہ دنیوی سزا بھی اَسّی کوڑوں

---

(۱) البحر الرائق ۳/ ۲۲۲، الدر المختار مع الشامی : ۳/ ۱۸۵

کی مقرر ہے؛ مگر اس کے باوجود اسلامی قانون صراحت کرتا ہے کہ یہ قانون مسلمانوں کے لیے جاری ہوگا، غیر مسلم رعایا پر اس قانون کا نفاذ نہ ہوگا؛ بل کہ ان کو ان چیزوں کی اجازت ہوگی اور یہ اجازت اس بنیاد پر ہوگی کہ اسلامی قانون غیر مسلم رعایا کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی ومداخلت کا روادار نہیں ہے۔

پھر یہاں یہ بات بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ غیر مسلم رعایا کے لیے یہ مذہبی آزادی اس ملک میں نہیں دی جارہی ہے، جو آج کل کی زبان میں ”جمہوری ملک“ کہلاتا ہے؛ بلکہ اس ملک میں یہ رعایت دی جارہی ہے، جس کا دعوی اسلامی مملکت ہونے کا ہے، خالصتاً اسلامی ملک ہونے کے باوجود ہمارے اسلامی قانون نے اس میں بھی مذہبی آزادی دے کر ساری دنیا کو یہ دکھایا ہے کہ حقیقی جمہوریت تو دراصل اس کا نام ہے، صرف جمہوریت نام رکھ دینے اور عوام کا گلا گھونٹنے سے کوئی ملک جمہوری ملک نہیں بن جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیح جمہوری قانون بھی اسلام ہی کی دین ہے، اس نے حقیقی جمہوریت کا سبق دنیا والوں کو دیا اور عوام الناس کی رائے کا، ان کے مذہبی خیالات وعقائد کا اور ان کے طور طریقوں کا احترام سکھایا، جس کی تفصیلات او پر پیش کی گئیں ہیں، پس جو شخص بھی انصاف کی نظر سے ان امور کو دیکھے گا، وہ ضرور بالضرور اس بات کا اقرار کرے گا کہ اسلام نے اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دی اور ان کے عقیدے و مذہب کے بارے میں اسلامی حکومت کو مداخلت نہ کرنے کا پابند کیا ہے۔

اے کاش! کہ آج کی جمہوری حکومتیں اس سے کوئی سبق لیتیں اور عوام ورعایا پر ان کی جانب سے نافذ کیے جانے والے غیر جمہوری فیصلوں سے وہ باز آتیں!(۱)

انسدادِ جبری تبدیلیٔ مذہب بِل کی حقیقت

راجستھان کی بی جے پی حکومت نے ”انسداد تبدیلی مذہب“ کا بل ریاستی اسمبلی میں

(۱) نقوشِ خاطر ۱۹۱، ۱۹۷

پیش کر کے اسے صوتی ووٹ کے ذریعہ منظور کرالیا، اس سے پہلے بھی ٧/اپریل ٢٠٠٦ء کو ایسا ہی ایک بل اسمبلی میں منظور کرایا گیا تھا، مخصوص نظریہ کے حاملین کا کہنا ہے کہ بعض عیسائی مشنریاں اور مسلم تنظیمیں راجستھان کے عوام کو پیسے کا لالچ دے کر یا زور زبردستی سے ان کا مذہب تبدیل کرا رہی ہیں، یہاں عیسائی مشنریوں کا نام تو برائے نام لیا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوف زدہ ہیں، اسی کو روکنے کے لیے اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، بل میں اک شق یہ بھی رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنا مذہب بدلنے کی خواہش رکھتا ہے تو اسے ایک مہینہ پہلے اس علاقے کے ضلع مجسٹریٹ سے تحریری اجازت حاصل کرنا ہوگا جس علاقے میں وہ رہتا ہے، لیکن اگر وہی شخص دوبارہ اپنا پرانا مذہب تبدیل کرنا چاہتا ہے تو اسے کسی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے، یہ دوہرا معیار اس لیے اپنایا گیا ہے تاکہ برضا ورغبت مذہب بدلنے والوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاسکیں اور کوئی شخص خوشی سے بھی اپنا مذہب تبدیل نہ کرسکے، ہمارے ملک کے نوکر شاہی نظام میں کسی سرکاری افسر سے اجازت حاصل کرلینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، اس نظام میں کسی مالی یا جسمانی مشقت کے بغیر اجازت کا حصول ممکن ہی نہیں ہے، اس طرح اس شق کے ذریعہ مذہب کی تبدیلی کو ممکن بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اس بل میں یہ دفعہ بھی لکھی گئی ہے کہ لالچ یا زبردستی سے مذہب تبدیل کرانے والوں کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دی جائے گی، یہ اقدام معاشرے میں تبلیغ کا کام کرنے والوں کو ان کے کام سے روکنے کی بھونڈی کوشش ہے، اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سزا کے دائرے میں لایا جاسکتا ہے جو خوشی سے اسلام یا عیسائیت قبول کرنے کا سبب بنیں گے۔(١)

مرکزی سطح پر مخالف تبدیلی مذہب قانون کے اجرا کی کوششیں

مفتی نوید سیف حسامی اڈوکیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ: ماقبل آزادی؛ ہندو وزیر اقتدار

(١)(ماہنامہ دارالعلوم ‏، شمارہ 12، جلد 98 :صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

ریاستوں میں اس قسم کی قانون سازی کی ابتداء ہو چکی تھی، تاریخ میں ان ریاستوں کو نوابی ریاستیں princely stastes کہا جاتا ہے، یعنی یہاں برائے نام خود مختار ریاستیں تھیں جن میں برطانیہ براہ راست حکومت تو نہیں کرتا تھا لیکن ہندوستانی حکمران کے واسطہ سے اپنا حکم چلاتا تھا، ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان ان ریاستوں نے تبدیلیٔ مذہب کے خلاف قانون بنانے شروع کر دیئے تھے، آزادی کے بعد ملکی کی پارلیمنٹ میں کئی ایک ''بِل'' اس سلسلہ میں پیش کئے گئے، پہلی مرتبہ ۱۹۵۴ء میں ہی تبدیلی مذہب کو قانون کے دائرے میں لانے، عیسائی مشنریس کا لائسنس فراہم کرنے اور تبدیلی مذہب کو سرکاری اہلکار کے پاس رجسٹر کراوانے کے نام پر ایک قانون کی منظوری کی کوشش کچھ ممبران کی جانب سے ہوئی اور اکثریت نے اسے منظور کیا، ۱۹۶۰ء میں پچھڑی ذاتوں (بیک ورڈ کمیونیٹیس Backward communities) کو لالچ یا جبراً تبدیلی مذہب سے بچانے کے لئے ایک مسودہ پیش کیا گیا، اس بِل Bill کا مقصد کسی ہندو کے غیر بھارتی مذہب کی طرف تبدیلی کو جانچنا بتایا گیا تھا، غیر بھارتی مذاہب کی تشریح میں اسلام، عیسائیت، یہودیت اور زرتشت مذہب کو بھی شامل کیا گیا تھا، ۱۹۷۹ء میں ''فریڈ آف ریلیجین'' کے عنوان سے ایک بل لایا گیا، اس بل کے پیش نظر تبدیلی مذہب پر سرکاری پابندیاں لگانا تھا، آخر الذکر دونوں قوانین بھی پارلیمنٹ سے منظوری نہیں پاسکے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ملک میں جبری تبدیلیٔ مذہب کے قوانین کے نفاذ کی کوشش نئی نہیں ہیں، لیکن انہیں اپنے وقت میں وہ پذیرائی نہیں مل سکی جو آج حاصل ہے، اُن ادوار میں مذہب سیاسی جنگ کے لئے استعمال تو ہوتا تھا، لیکن انسانی اقدار کی موجودگی میں مذہب کو اس حد تک استعمال کرنے کا رواج شروع نہیں ہوا تھا، مرکزی سطح پر ناکامی کے بعد ریاستوں میں اس نوع کے قوانین کا نفاذ شروع ہوا، واضح رہے کہ دستور کی روشنی میں جہاں مذہب کی پرامن تبلیغ کی اجازت ہے وہیں کسی بھی

شہری کو کسی بھی مذہب کے قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ یا ممانعت نہیں ہے، یہ قوانین مطلق تبدیلی مذہب کے خلاف نہیں بنائے جاسکتے، ان قوانین میں دھوکہ، لالچ، بالجبر جیسی شرائط لگائی جاتی ہیں۔(۱)

انسدادِ تبدیلیٔ مذہب کی قانونی تدریج

جہاں بھی حکومت غیر قانونی تبدیلیٔ مذہب پر روک لگانا چاہتی ہے تو ایک آرڈیننس Ordinance پاس کرتی ہے، آرڈیننس کے متعلق مفتی نوید سیف حسامی صاحب اڈوکیٹ لکھتے ہیں کہ: مرکزی یا ریاستی حکومتوں کو کسی قانون کے نافذ کرنے کے لئے پارلیمنٹ Parliament یا ریاستی اسمبلی کی منظوری ضروری ہوتی ہے، پارلیمنٹ کے معاملہ میں کوئی بل لوک سبھا اور راجیہ سبھا سے ہوتا ہوا صدر جمہوریہ کی دستخط سے منظور ہو کر متعینہ تاریخ پر ملک میں نافذ ہوتا ہے، جہاں تک ریاست میں کسی قانون کے نفاذ کی بات ہے، ریاستی حکومت کو وہ قانون ریاستی اسمبلی سے منظور کروا کر گورنر سے دستخط لینی ہوتی ہے، ہر ریاست میں گورنر؛ صدر جمہوریہ کا نائب ہوتا ہے، اسمبلی کے بارے میں جان لیں کہ بعض ریاستوں میں ایوان زیریں اور ایوان بالا دونوں ہوتے ہیں، جیسے ریاست تلنگانہ، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، اترپریش اور بہار کہ صرف انہی چھ ریاستوں میں دونوں ایوان ہیں، ایوان زیریں کے ممبر کو ''ایم، ایل، اے'' اور ایوان بالا کے ممبر کو ''ایم، ایل، سی'' کہا جاتا ہے، ان چھ ریاستوں کے علاوہ باقی ملک میں صرف ایک ہی ایوان ہے، ایسے وقت میں جب پارلیمنٹ یا ریاستی اسمبلی کا سیشن Session نہ چل رہا ہو اور کسی قانون کا نفاذ از حد ضروری ہو، اور اگلے سیشن کے انتظار میں نقصان کا اندیشہ ہو تو مرکزی یا ریاستی برسر اقتدار حکومت کو اختیار ہے کہ صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے عارضی طور پر صدر جمہوریہ یا گورنر سے قانون

---

(۱) ملک کی مختلف ریاستوں میں رائج مخالف تبدیلیٔ مذہب قوانین کا جائزہ: ۵۔۱۰

کے مسودہ پر دستخط لیکر ملک یا ریاست میں مذکورہ قانون نافذ کردے، اس عارضی نافذ ہونے والے قانون کو ''آرڈیننس'' کہا جاتا ہے، ایک آرڈیننس کی مدت چھ ماہ تک رہتی ہے اور مرکزی یا ریاستی حکومت کو کسی بھی ''آرڈیننس'' کی مدت میں صرف تین بار توسیع کی گنجائش ہوتی ہے، جیسے طلاق ثلاثہ کا قانون دو ہزار سترہ اور دو ہزار اٹھارہ میں تین بار آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہوا، پھر دو ہزار انیس میں پارلیمنٹ سے باضابطہ قانون کی شکل میں جاری ہوا، مرکزی حکومت کو یہ خصوصی اختیارات دستور ہند کی شق : ۱۲۳ سے اور ریاستی حکومتوں کو شق : ۲۱۳ سے حاصل ہوتے ہیں۔(۱)

تبدیلیٔ مذہب کے خلاف کوئی ملک گیر قانون نہیں ہے

واضح رہے کہ جبری تبدیلیٔ مذہب کے خلاف کوئی ملک گیر قانون نہیں ہے، یعنی یہ اختیار ریاستوں کو حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو اپنے ہاں اس طرز کا قانون بنائیں اور نافذ کریں اور چاہیں تو نظر انداز کریں، اس کی وجہ سے بھی سمجھ لیں، ہمارا ملک نیم وفاقی ملک ہے، نیم وفاقی کا مطلب یہ کہ کلی اختیارات نہ مرکز کو حاصل ہیں اور نہ ہی ریاستیں خود مختار ہیں، بلکہ کچھ معاملات ایسے ہیں جن میں مکمل مرضی مرکز کی چلتی ہے، جیسے برّی، بحری، فضائی افواج کا انتظام وانصرام، ریلوے، سمندری بندہ گاہیں وغیرہ، ایسے ہی بعض معاملات میں ریاستوں کو مکمل اختیار رہتا ہے، جیسے پولیس، تجارت، ہائی کورٹ وغیرہ، نیز بعض امور میں دونوں مشارک ہوتے ہیں، جیسے تعزیرات، ضابطہ فوجداری، شادی بیاہ کے قوانین وغیرہ کہ ریاست اور مرکز دونوں اس تیسری فہرست میں قانون سازی کرسکتے ہیں، اصطلاحی نام بھی ان تینوں فہرستوں کے فرسٹ لسٹ First list، سیکنڈ لسٹ Second list اور تھرڈ لیسٹ Third list ہیں، مذہب اور اس سے متعلقہ امور وضاحت کے ساتھ کسی فہرست میں نہیں ہیں، محکمہ

(۱) ملک کی مختلف ریاستوں میں رائج مخالف تبدیلیٔ مذہب قوانین کا جائزہ: ۵۔۱۰

قانون وانصاف کے مطابق اسے سیکنڈ لسٹ یعنی ریاستی معاملات میں ہونا چاہیے، اسی لئے ریاستی حکومتیں اس قسم کی قانون سازی میں خودمختار ہیں۔

کتنے صوبوں میں جبر تبدیلیٔ مذہب کا قانون نافذ ہے؟

فی الحال مذہب کی جبری تبدیلی کا یہ قانون نافذ کرنے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں، اور یہ قانون اپنی مختلف شقوں، شرائط، سزاؤں اور جرمانے کے ساتھ ملک کی نو ریاستوں کے علاوہ تمل ناڈو نے ۲۰۰۲ء میں اور راجستھان نے ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۸ء میں اس طرز کا قانون نافذ کیا تھا لیکن تمل ناڈو حکومت چار سال بعد ۲۰۰۶ء میں عیسائی طبقہ کے احتجاج کے زیر اثر قانون کو واپس لینے پر مجبوری ہوگئی اور راجستھان میں باوجود ریاستی اسمبلی کی منظوری کے اس قانون کے نفاذ کو گورنر سے اجازت نہیں مل سکی۔

اتر پردیش میں قانونِ جبری تبدیلیٔ مذہب کی تفصیل

اتر پردیش سرکار کی جانب سے اس معاملہ میں قانون سازی ایک نیا اضافہ ہے، بر خلاف دوسری ریاستوں کے یہاں اس قانون کے نفاذ کو تحفظِ مذہب سے زیادہ سیاسی ہتھکنڈے کی نظر سے دیکھا جارہا ہے، اس قانون کو باقی آٹھ ریاستوں میں رائج قانون کے مقابلے میں سخت سے سخت بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، فریب، دھوکہ دہی، لالچ، ترغیب، اختیارات کے ناجائز استعمال اور بالجبر کسی کا مذہب تبدیل کروایا جائے تو ایسی تبدیلی باطل مانی جائے گی اور متعلقہ افراد ناقابل ضمانت جرم کے مجرم قرار دیئے جائیں گے، سزا اور جرمانے کی انتہائی مدت اور مقدار دس سال اور پچاس ہزار روپے طئے کی گئی ہے، نیز مدھیہ پردیش اور اتراکھنڈ کی طرح یہاں بھی تبدیلی مذہب برائے شادی کو بھی جرم مانا گیا ہے، ایسی شادی بھی غیر قانونی مانی جائے گی لیکن اگر معاملہ کی خبر ہونے تک جوڑا صاحب اولاد ہو جائے تو وہ اولاد اس کے باپ کی ہی کہلائے گی اور نفقہ کی مکمل ذمہ داری اسی

پر عائد ہوگی۔

تبدیلیٔ مذہب سے قبل ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دینا باقی آٹھ ریاستوں میں تو ضروری ہے ہی، لیکن اتر پردیش میں مابعد تبدیلیٔ مذہب بھی ساٹھ دن بعد مجسٹریٹ کے ہاں توثیق کروانا بھی ضروری ہے کہ میں اپنے فیصلہ پر مطمئن ہوں۔

متعلقہ قانون سے متعلق اتر پردیش میں کی گئی گرفتاریاں

۲۰۲۱ء میں ریاستِ اتر پردیش میں اس قانون کے نفاذ کے بعد جو گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں وہ کافی حد تک خطرناک ہیں، آٹھ جولائی ۲۰۲۱ء کو ''دی کوئینٹ The quint'' کی ویب سائٹ پر نشر ایک خبر کے مطابق دسمبر ۲۰۲۰ء تا جون ۲۰۲۱ء سات ماہ میں ۶۳ر مقدمات میں ۱۶۲ر افراد کو گرفتار کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی آئے دن مسلسل گرفتاریوں کی خبر آرہی ہے، ان سطور کے رقم ہونے تک کئی نمایا شخصیتیں بھی پکڑ میں آئی ہیں، جن میں حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب (۲۱ ستمبر) مولانا عمر گوتم اور قاضی جہانگیر قاسمی بشمول چھ احباب (۲۱ جون) قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ گجرات کے ایک بنگالی مولوی صاحب (نام نامعلوم) وڈودرہ گجرات کی جیل میں اس الزام میں قید ہیں کہ نکاح پڑھاتے وقت انہوں نے لڑکی سے کلمہ بھی پڑھوایا تھا، پولیس کا یہ کہنا ہے کہ لڑکی کا ہندو نام معلوم ہونے کے باوجود انہوں نے زبردستی اسلام قبول کروایا، یکم اکتوبر ۲۰۲۱ء کو یوپی، اے ٹی ایس (اتر پریش اینٹی ٹیررسٹ اسکواڈ Anti Terrorist Squad) نے دھیرج نامی ایک شخص کو کانپور سے گرفتار کیا ہے، جس پر دس سال قبل اسلام قبول کروانے کا الزام ہے، مزید براں مظفر نگر کے رہائشی محمد ادریس قریشی، محمد سلیم اور ناسک مہارشٹر کے کنال چوہدری عرف عاطف جبرا تبدیلی مذہب کے لئے فنڈنگ کے الزام ماخوذ ہیں، یہ مذکورہ نام تو بس ''مشتے نمونہ ازخروارے'' کے مصداق ہیں۔

دی پرنٹ The print نے ۱۴ر اکتوبر کو اپنی ویب سائٹ پر ایک خبر نشر کی جس

یں ذکر ہے کہ یو پی، اے ٹی ایس نے پانچ لاکھ افراد کے جبراً تبدیلی مذہب کا اور اس کاز کے لئے عرب ممالک اور برطانیہ (کے رہائشیوں کی جانب) سے کروڑوں کے مقدار میں مالی امداد و تعاون کا دعویٰ کیا ہے، اے ٹی ایس نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ گرفتار شدہ افراد ہندوستان کو اسلامک اسٹیٹ Islamic State بنانے کے لئے لوگوں کو اسلام قبول کروا رہے تھے، اے ٹی ایس نے مزید کہا کہ ہمارے پاس ایسے ایک ہزار افراد کی فہرست موجود ہے، جن کو زبردستی کلمہ پڑھایا گیا ہے، اس بات پر ''دی پرنٹ'' نے لکھا ہے کہ اُن ایک ہزار میں سے پچیس افراد تک ''دی پرنٹ'' کے ذمہ داران پہونچے، لیکن انہوں نے خوش دلی سے اسلام قبول کرنے کی بات کہی اور کسی بھی زبردستی یا لالچ کی بات کو رد کردیا۔

مذکورہ قوانین خلافِ قانون نافذ ہوتے رہیں گے

اترا کھنڈ اور اتر پردیش سرکاروں کے بنائے گئے ان قوانین کے خلاف سپریم کورٹ میں عرضی دائرہ کی جاچکی ہے، ان عرضیوں میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مذکورہ قوانین دستور ہند کی شقوں ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۱، اور ۲۵ کے مغائر ہیں، واضح رہے کہ ۱۹۷۷ء میں جب اڑیسہ اور مدھیہ پردیش حکومتوں کے بنائے گئے قوانین کے خلاف مذکورہ ریاستوں کے افراد سپریم کورٹ سے رجوع ہوئے تھے اس وقت سپریم کورٹ نے دونوں ریاستوں کے قوانین کو ہری جھنڈی دکھائی تھی، جس کے بعد ہی باقی ریاستوں کے حوصلے بلند ہوئے، لہٰذا اب ان قوانین پر روک لگائی جائے گی، یہ سوچ بعید از قیاس ہے، نیز قانون داں حضرات کا ماننا ہے کہ تبدیلیٔ مذہب جیسے مسئلہ پر واضح قانون کا ہونا ضروری ہے، ورنہ آج جو شکایت گرچہ وہ فرض اور حقیقت سے بعید کیوں نہ ہو ہندوؤں کو ہو رہی ہے، کل کے دن وہی مسئلہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ حقیقتاً پیش آسکتا ہے، مثلاً کسی بے روزگار مسلم یا عیسائی کو سرکاری نوکری کی لالچ دے کر ہندو دھرم قبول کروانے کی کوشش جائے تو یہ عمل مسلم اور عیسائی کمیونٹی کے نزدیک نہ صرف ناقابل قبول ہوگا، بلکہ اس پر تو روک لگانے کی مانگ بھی کی

جائے گی، اصل مشکل یہاں پیش آرہی ہے کہ ان قوانین کو عمومی رکھنے کے بجائے اسے سیاسی شکنجہ اور ایک مخصوص مذہب کے ماننے والوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔(۱)

مذہبی آزادی قانون کی روشنی میں

ملک ہندوستان کی آزادی کے بعد جب آزاد آئین ہند منظور ہوا اس میں خصوصی طور پر مذہبی آزادی کو اساسی اصول مانا گیا ہے، جسکے دفعات یہ ہیں:

دفعہ [۲۵] ''تمام اشخاص کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ متاثر نہ ہو''۔

دفعہ [۲۶] ''اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا''۔

(الف) مذہبی اور خیراتی اغراض ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق ہوگا۔

(ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا حق ہوگا۔

دفعہ [۲۷] کسی شخص کو ایسے ٹیکسوں کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جن کی آمدنی کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقہ کی ترقی یا اس کو قائم رکھنے کے مصارف ادا کرنے کیلئے صراحتاً تصرف کی جائے۔

دفعہ [۲۸] (۱) کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جو بالکلیہ مملکتی فنڈ سے چلایا جاتا ہو کوئی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

(۲) کسی امر کا اطلاق ایسے تعلیمی ادارہ پر نہیں ہوگا جس کا انتظام مملکت کرتی ہو لیکن جو کسی ایسے وقف یا ٹرسٹ کے تحت قائم کیا گیا ہو جو ایسے ادارہ میں مذہبی تعلیم دینا لازم قرار دے۔

---

(۱) ملک کی مختلف ریاستوں میں رائج مخالف تبدیلیٔ مذہب قوانین کا جائزہ: ۵۔۱۰

(۳) کسی ایسے شخص پر کسی ایسے تعلیمی ادارہ میں شریک ہو جو مملکت کا مسلمہ ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو لازم نہ ہو گا کہ کسی ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لے جو ایسے ادارے میں دی جائے یا ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہو جو ایسے ادارہ میں یا اس ملحقہ عمارت واراضی میں کی جائے بجز اس کے کہ ایسے شخص نے یا اگر وہ نابالغ ہو تو اس کے ولی نے اس کیلئے اپنی رضامندی دی ہو۔(۱)

ان دفعات میں بتلایا گیا ہے کہ اس ملک کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی بھی مذہب اختیار کرے، اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس کی پرامن تبلیغ کرے۔

مفتی نوید سیف حسامی صاحب اڈویکٹ لکھتے ہیں: جب تک ملک میں دستور کی اولیت باقی ہے تب تک شہریوں سے اس تبلیغ کے حق کو نہیں چھینا جاسکتا، ہاں ایسا ممکن ہے کہ کسی جگہ فرد یا تنظیم اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے اپنے مذہب کو مسلط کرنے کی کوشش کرے، اسی بنیاد پر ان قوانین میں خوش دلی کے ساتھ تبدیلیٔ مذہب کے خلاف کوئی شق نہیں ہے، صرف انہی اوامر کو قابل تعزیر قرار دیا گیا ہے جن میں اپنی مرضی شامل نہ ہو، بات گھوم پھر کر وہیں آتی ہے کہ ان قوانین کی آڑ میں ملک کے مخصوص طبقہ کو ہی نشانہ بنایا جارہا ہے۔(۲)

دستوری حقوق کے بالکل خلاف قانون سازی

ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے، کسی جماعت کی طرف سے ایسی قانون سازی سیکولر شبیہ کو داغ دار کرتی ہو کسی مذہب کی مقبولیت سے خوف زدہ ہو کر منفی قانون بنانے کی کوئی کوشش آج تک امریکہ اور یورپ میں بھی نہیں کی گئی، جو اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے

(۱) ماہنامہ دارالعلوم شمارہ ۱۰ جلد ۹۰ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶

(۲) ملک کی مختلف ریاستوں میں رائج مخالف تبدیلیٔ مذہب قوانین کا جائزہ: ۵۔۱۰

عوامی رجحان سے حیران و پریشان ہیں یہاں تک کہ اب عیسائیوں کے مذہبی رہنما فراخ دلی کے ساتھ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد رومن کیتھولک عیسائیوں سے بڑھ گئی ہے، ویٹکن سٹی سے جاری ایئر بک ۲۰۰۸ء میں کہا گیا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ہم سرفہرست نہیں رہے، اسی طرح کا ایک جائزہ برطانیہ کے اخبارات میں پیش کیا گیا ہے کہ چرچ میں جانے والوں کی تعداد مسجدوں میں جانے والوں کی تعداد کے مقابلے میں نہایت کم رہ گئی ہے، اس کے باوجود ان ملکوں میں کوئی قانون بنانے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے اور اسے ذاتی ہی رہنا چاہئے، حکومت کے ذریعے اس معاملے میں مداخلت فرد کے نجی حقوق میں مداخلت کے مترادف ہے۔

انسانی حقوق تنظیموں اور عدالتوں کی ذمہ داری

عدلیہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو اپنی ذمہ داری نبھانی چاہئے، مذہبی آزادی کے حق کو دستور کے بنیادی حقوق کے دائرے میں رکھ کر دستور مرتب کرنے والوں نے یہ بات واضح کردی ہے کہ کوئی سرکاری ادارہ یا غیر سرکاری تنظیم ان حقوق پر شب خوں نہیں مارسکتا، اگر اس طرح کی کوئی کوشش ہوتی ہے تو اس صورت میں ملکی عدالتوں کا فرض ہے کہ وہ اس کو ناکام بنائیں اور فرد کے نجی حقوق کی حفاظت کریں، انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی اس طرح کے اقدامات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے اور اسطرح کے بل کے خلاف سخت موقف اختیار کرنا چاہئے اور ریاستی حکومت کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ اس سیاہ قانون کو واپس لے۔

ایسے موقع پر ریاستی گورنر کی ذمہ داری بھی بڑی اہم ہے، کیوں کہ اسے مرکز کی طرف سے صوبے میں اسی لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ سرکار کو قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے پر مجبور کرے ۲۰۰۶ء میں یہ بل گورنر کی وجہ ہی سے قانونی شکل اختیار نہیں کرسکا، کیوں کہ اس

وقت کی لیڈی گورنر نے بعض دفعات پر اعتراضات کرتے ہوئے اسے اسمبلی کو واپس کر دیا تھا، اس کے بعد ۲۰۰۷ء میں کابینہ نے یہ بل دوبارہ گورنر کے پاس بغرض منظوری بھیجا لیکن گورنر نے منظور کرنے کے بجائے اسے اپنے اعتراضات کے ساتھ اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند کے پاس روانہ کر دیا، ابھی یہ بل صدر جمہوریہ کے پاس زیر غور ہی تھا کہ عجلت میں دوسرا بل لایا گیا اور اسے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر منظور بھی کرا لیا گیا، اب پھر وہی منظوری کے لیے گورنر کے پاس جائے گا، سیکولر جماعتوں ملی تنظیموں اور دانش وروں کو چاہئے کہ وہ راجستھان کے گورنر سے درخواست کریں کہ اس بل پر منظوری کے دستخط نہ کئے جائیں، کیوں کہ یہ بل ان تحفظات کے خلاف ہے جو ہندوستان کے قانون میں معاشرے کے ہر فرد کو دئے گئے ہیں، ہماری جماعتوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر آج اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا گیا تو کل دوسری ریاستیں بھی راجستھان کی تقلید کریں گی۔(۱)

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ12، جلد 98 :صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

جبراً تبدیلیٔ مذہب–حقائق اور غلط فہمیاں

ہمارا ملک ایک عجائب خانہ ہے

ہمارا ملک ایک عجائب خانہ ہے، جہاں ہر روز کوئی نہ کوئی عجوبہ ظاہر ہوتا رہتا ہے، تاج محل کو بھلے دنیا کا ساتواں عجوبہ قرار دیا جاتا ہو، لیکن ہندوستان کی سب سے زیادہ عجوبے کی چیز یہاں کا فرقہ پرست ٹولہ اور زمامِ اقتدار سنبھالی ہوئی حکمراں جماعت ہے، اس کی پالیسیوں اور اس کے متضاد اقدامات نے ملک کو اہل عالم کے لیے تماشہ گاہ بنا دیا ہے، ملک میں ہر دن ایک نیا تماشہ دیکھنے کو ملتا ہے، سنگھ پریوار اور اس کی پشت پناہ مرکزی حکومت کے دوہرے پیمانے اور ان کی منافقانہ چال کب اور کیسے پینترا بدلے گی کچھ نہیں کہا جاسکتا، ابھی کچھ ہی عرصہ قبل کی بات ہے کہ طلاق ثلاثہ کا ایشو Issue لے کر نام نہاد مسلم خواتین سے ہمدردی کے لیے وزیر اعظم میدان میں کود پڑے تھے، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر مسلم خواتین کی دہائی دے رہے تھے کہ انھیں طلاق ثلاثہ کے شکنجہ سے آزاد کر کے بااختیار بنانا چاہیے، وزیر اعظم زور دے رہے تھے کہ طلاق ثلاثہ مسلم خواتین پر ظلم ہے، حکومت بہر صورت اس ظلم کا خاتمہ کرے گی، مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی خاطر مسلم خواتین سے ہمدردی جتانے اور حقوق نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے سنگھی قائدین کو ڈاکٹر ہادیہ کے مسئلہ میں سانپ سونگھ جاتا ہے، انھیں یہاں ایک بالغ لڑکی کی آزادی اور اس کے حقوق پامال ہوتے نظر نہیں آتے، طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں خواتین کے حقوق کو لے کر ہنگامہ کھڑا کرنے والوں کو ڈاکٹر ہادیہ کے حقوق کی پامالی کیوں نظر نہیں آتی؟ کیا جمہوری ملک میں کسی بالغ مرد یا عورت کو اپنا مذہب تبدیل کر کے من پسند دوسرے مذہب پر عمل کرنے کا آئینی حق حاصل نہیں؟ ہندوستانی دستور یہاں کے ہر بالغ شہری کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بلا جبر واکراہ کسی بھی مذہب کو اپنا کر اس پر عمل کرسکتا ہے، پھر ہادیہ کے معاملہ میں اس کے والدین ریاستی حکومت اور زعفرانی تنظیمیں کیوں واویلا کر رہی ہیں؟ اسے کیوں ڈرایا اور دھمکایا جا رہا ہے؟ آخر اس مسئلہ میں حکومت کو باقاعدہ کمیشن تشکیل دینے کی ضرورت کیوں پڑی؟ ہادیہ کو اس کے شوہر سے ملنے

کیوں نہیں دیا جاتا؟ حقوق نسواں کی علمبردار تنظیمیں کہاں چلی گئیں؟ آخر وہ ہادیہ کے معاملہ میں کیوں خاموش ہیں؟(۱)

ایمان کسے کہتے ہیں؟

اسلام قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دل سے ایمان قبول کیا جائے، محض زبان سے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرماں برداری کا اقرار کافی نہیں ہے، جب تک دل سے اس کی تصدیق نہ ہو، اسی کو فقہاء ومحدثین کے اصطلاح میں اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کہتے ہیں، ایمان لانے کے لئے محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا، مسلمانوں جیسا نام رکھ لینا اور عدالت سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ بنوالینا کافی نہیں ہے بلکہ دل میں اس کلمے کے معنی ومفہوم کا یقین ہونا بھی ضروری ہے، آج کل عشق کی دیوانگی میں بعض لڑکے لڑکیاں اپنے مقصد کے حصول کے لئے مسلمان بن جاتی ہیں اور مسلمانوں جیسا نام رکھ لیتی ہیں جب کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ایمان قبول کرنے کا حقیقی مفہوم کیا ہے، جو لڑکے واقعی دل سے یہ چاہتے ہوں کہ وہ مسلمان لڑکی سے شادی کریں یا جو لڑکیاں دل سے یہ چاہتی ہوں کہ وہ مسلمان لڑکے سے شادی کریں تو انہیں خاندان والوں کا یا سماج کا خوف نہیں ہونا چاہئے، بلکہ خدا کا خوف ہونا چاہئے، اور خدا کے خوف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا شریک زندگی صرف نام کا مسلمان نہ ہو، بلکہ اس نے دل سے اسلام قبول کیا ہو، اب رہی یہ بات کہ دل کا حال کیسے معلوم ہوگا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے اس کے سامنے ایمان کی تمام شرائط اور جملہ تفصیلات بیان کردی جائیں اور اسلام قبول کرتے ہوئے اس سے یہ اعتراف کرالینا چاہے کہ اس نے دل سے اسلام قبول کیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول پر دل سے ایمان رکھتا ہے اور ان کی اطاعت کا پختہ عزم کرتا ہے، ایک

---

(۱)(ازقلم: مولانا سید احمد ومیض ندوی نقشبندی صاحب)

انسان اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتا ہے، باقی سب کچھ اللہ کے حوالے کر دینا چاہیئے کہ وہی دلوں کا حال جانتا ہے، اسکے بعد اگر کوئی مسلمان لڑکا یا لڑکی کسی غیر مسلم لڑکی یا لڑکے کو ملکی قوانین کی رعایت کے ساتھ مسلمان بنا کر نکاح کرتا ہے یا کرتی ہے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انشاء اللہ لوگ زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔(۱)

کیا جبری ایمان قبول ہے؟

ایمان دل کی تصدیق کا نام ہے نہ کہ زبان کے اقرار کا؛ اسی لئے قرآن مجید نے ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اولٰئک کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ"(۲)

"مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُم"(۳)

اور ظاہر ہے کہ دل کے ماننے اور نہ ماننے پر دوسرے کا قابو نہیں ہے، طاقت کے ذریعہ جسم پر جبر کیا جا سکتا ہے، دل پر جبر نہیں کیا جا سکتا؛ اس لئے اگر جبراً کسی سے کلمۂ ایمان کا اقرار کرالیا جائے تب بھی وہ مومن نہیں ہوسکتا، تو ظاہر ہے کہ جب خود اسلام نے دین کے معاملے میں جبر واکراہ سے منع کیا ہے اور جبر واکراہ کے ذریعہ عقیدۂ توحید کا اقرار کرالیا جائے تو بھی انسان مومن نہیں ہوتا، تو کوئی مسلمان غیر مسلم بھائی کو کیوں کلمہ پڑھنے پر مجبور کرے گا؟

جبراً تبدیلیٔ مذہب کا شور کیوں؟

مذہب کی تبدیلی کے شخصی اور انفرادی واقعات تو پیش آتے ہی رہتے ہیں اور ان کا

---

(۱) (ماخوذ از: نئے ذہن کے شبہات اور اسلام کا موقف، از مولانا ندیم الواجدی صاحب: ۱۷۱)

(۲) (مجادلۃ ۲۲ :)

(۳) (المائدۃ ۴۱ :)

ایسا کوئی ریکارڈ بھی نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ واضح کیا جاسکے کہ کتنے لوگوں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا ہے، تاہم بعض اوقات اجتماعی تبدیلیٔ مذہب کا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو فرقہ پرستوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں یا کسی علاقے میں یہ رجحان تیزی کے ساتھ فروغ پاتا ہے تو وہ انگاروں پر لوٹنے لگتے ہیں، دعوت وتبلیغ کا نہ کوئی مؤثر ذریعہ ان کے پاس ہے اور نہ کوئی نظریاتی بنیاد ایسی ہے جس کا حوالہ دے کر وہ تبدیلیٔ مذہب کا عمل روک سکیں، مایوس ہو کر وہ یہ کہنے بیٹھ جاتے ہیں کہ کچھ لوگ اور کچھ تنظیمیں بے کس اور مجبور لوگوں کو روپے پیسے کا لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر ان کا مذہب تبدیل کرا رہی ہیں، یہ دعویٰ پورے زور و شور کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ حکومت کے سامنے یہ مطالبہ بھی رکھ دیا جاتا ہے کہ کس طرح اس عمل کو روکا جائے اور اس کے رد کنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے خلاف قانون سازی کی جائے، چنانچہ بعض ریاستوں میں اس طرح کی قانون سازی کی جارہی ہے۔

اختیار ملنے کے بعد کیوں اسلام پر قائم رہے؟

جو لوگ بھی اسلام کے خلاف اس قسم کا پروپگنڈہ کرتے ہیں، خود وہ بھی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اگر کسی آدمی سے کوئی بات زبردستی منوالی جائے، تو موقع ملتے ہی وہ شخص اس کا انکار کرنے لگتا ہے اور جب بھی اسے طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے، وہ فریق مقابل پر چڑھ دوڑتا ہے؛ مگر ہمیں اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب نبی پاک کی رحلت ہوگئی، تو بہت معمولی اور غیر معتدبہ جماعت کے علاوہ اکثر مسلمان اسی مذہب پر قائم رہے، جس پر محمد ﷺ انھیں چھوڑ گئے تھے، یہی نہیں وہ سب کے سب اپنے نبی کی شروع کی ہوئی تحریک کو لے کر آگے بڑھے اور ان کے نبی نے اپنے آخری سفرِ حج میں انھیں جس امانت کی ادائیگی پر مقرر کیا تھا، اسے بخوبی اور پوری دیانت داری کے ساتھ اس کے حق داروں تک پہنچایا، اس راہ میں انھیں مخالفین سے لڑنے اور جنگ کرنے کی نوبت آئی، تو اس سے بھی پیچھے نہ ہٹے اور بالآخر نبی

کی وفات پر ایک صدی سے بھی کم عرصہ گزرا تھا کہ انھوں نے اسلام کو دنیا بھر کے بیشتر خطوں تک پہنچا دیا، اس مہم میں پیش آنے والی معرکہ آرائیوں میں ان عربوں نے جس دیدہ وری اور جان وتن سے بے پروائی کا مظاہرہ کیا، اسے دیکھتے ہوئے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے دین پر کسی کو بھی زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا تھا؛ بلکہ انھوں نے انتہائی خوش دلی، اطمینانِ قلب اور برضا ورغبت اسلام قبول کیا تھا اور یہی وجہ تھی انھوں نے اس دین کے تحفظ کی خاطر آپ ﷺ کی زندگی میں بڑی سے بڑی قربانیاں ہنستے کھیلتے دیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی دنیا کے کسی بھی کافر ومشرک اور وقت کے ظالم وجابر بادشاہ کا سرِ پرغرور ان کے ایمانی جلال اور طاقت وقوت کے سامنے بلند ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔(۱)

کیا اس ملک میں جبراً مذہب کی تبدیلی ممکن ہے؟

ہندوستان میں بعض برسرِ اقتدار آنے والی پارٹیوں نے الیکشن جیتنے کا ایک آسان اور مختصر راستہ دریافت کرلیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب الیکشن ہونے والا ہو تو کسی نہ کسی طرح ہندو مسلم مسئلہ اٹھا دیا جائے، اور میڈیا کو اس کی تشہیر پر لگا دیا جائے، سوچیے جس ملک میں ۸۰ر فیصد ہندو آبادی ہو، شہر شہر، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ اُن کی اکثریت ہو، ۸۰ رفیصد سے زیادہ پولیس ملازمین اور انٹلی جنس Intelligence کا عملہ ہندو ہو، مسلمان فسادات کی مار سہہ سہہ کر سہمے ہوئے ہوں، وہاں کیا اس بات کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ کسی ہندو کا زبردستی مذہب تبدیل کرا دیا جائے؟ یہ یقیناً ایک سوچی سمجھی سازش ہے، جوان شاء اللہ ضرور ناکام ہوگی۔

غیر مسلم اپنا مذہب کیوں چھوڑنا چاہتے ہیں؟

ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ آخر بعض افراد ان کے مذہب سے فرار حاصل کر کے

---

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ‏، شمارہ 12، جلد 98 : صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

دوسرے مذاہب کی پناہ کیوں لے رہے ہیں، دیکھا جائے تو اس کی بنیاد وہ معاشرتی نظام ہے جس میں ملک کے ایک بڑے طبقے کو عزت کی زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے، اس طبقے کے لوگ اعلیٰ ذات کے لوگوں کی مندروں میں نہیں جاسکتے، ان کے مخصوص کنوؤں اور تالابوں سے پانی نہیں لے سکتے، ان کے بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاسکتے، حالاں کہ انہیں ریزرویشن Reservation کے نام پر کچھ مراعات ضرور دی گئی ہیں، ان مراعات نے ان کی دبی کچلی زندگی کو معاشی طور پر تو ابھارا ہے لیکن ان کی سماجی زندگی ابھی تک وقار واحترام سے ہے، اسی محرومی نے آئین ہند کے خالق ڈاکٹر امبیڈکر کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا، انہوں نے بڑے دکھ کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ ’’تبدیلیٔ مذہب کا عمل ایسا ہے جیسے کوئی شخص خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے کسی چیز کا سہارا حاصل کرلے، میں اپنے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں کے تئیں سماج کی بے حسی کی وجہ سے ہندو مذہب ترک کرنے پر مجبور ہوا ہوں، آج بھی کاشی رام اور ان کے بعد کماری، مایاوتی دلتوں کے لیے مسیحا تصور کی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے طبقے کے بے کس اور مجبور لوگوں کو یقین ہے کہ یہ لیڈران کو عزت کی زندگی دلاسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے اپنے مسیحا کے ساتھ ہیں اور ان کی ایک آواز پر مر مٹنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

اسلام کیوں قبول کرنا چاہتے ہیں؟

اللہ سبحانہ نے انسانوں کو اپنی معرفت وعبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے، اس لئے سب سے پہلے عالم ارواح میں جن سے اللہ سبحانہ نے اپنی وحدانیت وربوبیت کا عہد لیا ہے وہ انسان ہیں، ارشاد باری ہے اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں، تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض

بے خبر تھے(۱)

یہ عہد حضرت آدم علیہ اسلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے پیدا ہونے والی ساری ذریت سے لیا گیا، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر سلیم الفطرت انسانوں کے دل کی آواز ہے گو کہ اس عالم میں آنے کے بعد اس عہد کو انسان بھول گئے ہیں لیکن وہ ''عہدِ اَلست'' ہر ذی شعور انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہے، گویا اس عہدِ باری تعالی کی توحید ربوبیت کے تخم انسانی فطرت میں بو دیئے گئے ہیں، جیسے پانی کھیتوں کو سیراب کرتا ہے اسی طرح آسمانی ہدایات کے نزول سے برسنے والی روحانی بارش رحمت اور جن مبارک ہستیوں پر یہ آسمانی صحیفے نازل کئے ہیں ان کی پاکیزہ عملی زندگی، ان کی پاکیزہ تعلیمات ابر رحمت بن کر حال و ماحول پر برستی ہے تو چشم زدن میں یہ بیج اس سے سیراب ہو کر معرفت الٰہی ور بوبیت ربانی کے شجر طیب، روحانیت کی باغ و بہاری کے جلوے دکھاتے ہیں، حال ماحول اگر فطرت سلیمہ کو مسخ کر دیں تو پھر عہدِ الست کے تخم کی آبیاری نہیں ہوتی، وہ اسلام کے پاکیزہ چشمۂ طیب سے سیراب ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں، اسی وجہ سے راہ حق گم ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کے کید و مکر کر کے جال میں کچھ ایسے پھنس جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں پر دبیز پردے پڑ جاتے ہیں، اور انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا، ان کی زندگی کی کشتی گمراہیوں کے منجدھار میں ہچکولے کھاتی رہتی ہے ساحل مقصود تک امن و عافیت وسلامتی کے ساتھ اس کا پہنچنا موہوم ہو جاتا ہے، منزل مقصود دراصل دین اسلام ہے، لیکن وہ باطل راہوں میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ موت کے بعد ظلمتیں ہی ظلمتیں، تاریکیاں ہی تاریکیاں ان کا مقدر بن جاتی ہیں، حدیث پاک میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں (۲)

---

(۱) الاعراف / ۱۷۳

(۲) (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۹۱، ازقلم: مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم صاحب)

اسلام میں جبر نہیں ہے تو جزیہ کیوں ہے؟

جبری ایمان کے سلسلے میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے میں زبردستی کی اجازت ہوتی تو اسلام میں جزیئے کا نظام ہی نہ ہوتا، صاف اعلان کر دیا جاتا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ، یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، جزیہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ کافر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے، بلکہ وہ جزیہ کی ایک مخصوص اور متعین رقم دے کر اسلامی مملکت میں اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے، البتہ کوئی شخص اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ بھی نہ دے تو اس کے خلاف تلوار اٹھائی جاتی ہے، اگر دنیا میں زبردستی اسلام پھیلانا ہوتا تو جزیے کی درمیانی راہ نہ ہوتی؛ بلکہ یا تو اسلام ہوتا یا تلوار ہوتی، جزیہ کو ظالمانہ کہنا بھی غلط ہے، آج بھی دنیا کے ہر ملک میں مختلف صورتوں میں ٹیکس کا نظام رائج ہے جو قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے دباؤ سے وصول کیا جاتا ہے، پھر اسلامی ملکوں میں کافروں ہی سے ٹیکس (جزیہ) وصول نہیں کیا جاتا، بلکہ مسلمانوں سے بھی زکوۃ اور عشر کی شکل میں ان کے اموال کی ایک خاص مقدار وصول کی جاتی ہے، اس طرح اسلامی نظام میں اس کی پوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ کفار اپنے مذہبِ کفر پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت میں زندگی گزاریں، ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔(۱) مولانا اسرار الحق صاحبؒ لکھتے ہیں ''اس ذیل میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جزیہ لوگوں کو اسلام پر مجبور کرنے کے لیے نہیں؛ بلکہ یہ اسلامی مملکت وحکومت کے ذریعے ان کی خدمات، حفاظتی تدابیر اور نگہداشت کے عوض ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی ایک واضح ترین اور سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے، جسے علامہ بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں نقل کیا ہے کہ جب ہرقل نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے اپنے لوگوں کو اکٹھا

---

(۱) (نئے ذہن کے شکوک وشبہات کا ازالہ)

کیا اور یرموک کا واقعہ پیش آیا، تو مسلمانوں نے حمص کے عیسائیوں سے لیا ہوا جزیہ واپس کر دینے کا فیصلہ کیا اور ان سے کہا کہ ہم تمھاری حفاظت اور مدد نہیں کر سکتے؛ لہٰذا تم خود اپنا انتظام کرلو اور ہم تم سے لیا ہوا مال واپس کیے دیتے ہیں، تو حمص والوں نے کہا کہ تمھاری ولایت اور انصاف ہمارے لیے ہمارے بادشاہ کے ظلم و جور سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور ہم سب تمھاری فوج اور سپہ سالار کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوج کا مقابلہ کریں گے، اسی طرح دوسرے شہروں کے ان یہود و نصاریٰ نے بھی یہی بات کہی، جن سے مسلمانوں نے صلح کر رکھی تھی، ان سب نے کہا کہ اگر روم کا بادشاہ اور اس کی فوج ہم پر غالب آجاتی ہے، تو ہمیں پھر پہلے جیسے برے دن ہی دیکھنے پڑیں گے اور جب تک ہم مسلمانوں کی حفاظت میں ہیں، اپنی اپنی زندگی جینے کے لیے آزاد ہیں۔

کیا حدود و قصاص کا تعلق جبر سے ہے؟

جو لوگ حدود و قصاص کے اسلامی نظام کو جبر پر مبنی قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ان تادیبی اور تعزیری کاروائیوں کے ذریعے زبردستی اسلامی احکام کو مکمل کرایا جارہا ہے، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حدود و قصاص کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو برضاورغبت ایمان لائے اور انہوں نے اسلامی تعلیمات پر چلنے کا عہد کیا، اب اگر کوئی شخص اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتا تو اسے عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس حقیقت کو اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ اصول دین کو ماننے میں زبردستی نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے اپنی خوشی سے اصول دین کو تسلیم کر لیا تو اب اسے احکام دین کی تعمیل بھی کرنی ہوگی، اس میں کسی طرح کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی، یہ جبر نہیں ہے؛ بلکہ حسنِ انضباط ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے لیے سرکاری ملازمت ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے سرکاری ملازم بن جاتا ہے تو اب اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی مفوضہ ڈیوٹی صحیح طریقے سے انجام دے اور تمام متعلقہ قوانین کی پابندی کرے، عدم پابندی کی صورت میں

اسے افسران کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا، اس صورت میں کوئی ذی ہوش بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس بے چارے ملازم سے زبردستی نوکری کرائی جارہی ہے۔

بہرحال اسلام محض چند معتقدات کا نام نہیں ہے کہ ان کو مان لیا جائے اور بس، بلکہ یہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے، جس میں ہر مرحلۂ زندگی کے لئے مخصوص احکام موجود ہیں اور ان سے روگردانی کرنے والوں کے خلاف حدود وتعزیرات کا ایک مکمل ضابطہ ہے، اس ضابطے کا نفاذ بھی دین ہی کا ایک حصہ ہے، اسے ''لا إكراه في الدين'' کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔

ارتداد پر سزا کیوں رکھی گئی؟

اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ پہلے کوئی شخص اسلام قبول کرلے اور پھر اپنی مرضی سے یا کسی کے لالچ دینے پر یا بہکاوے میں آکر یا ظلم وتشدد کے خوف سے اس کے دائرے سے باہر نکل جائے، اس میں شک نہیں کہ اسلام کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا، مگر وہ اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آدمی مسلمان ہوجائے اور جو دل میں آئے وہ کرتا پھرے، اور اس پر کسی طرح کی کوئی گرفت نہ ہو، اب جب کہ اس نے خدائی نظام قبول کیا ہے تو اس کے ہر ہر جزء پر عمل کرنا اس کے لیے ضروری ہوگا، بہ صورت دیگر اسے دنیوی اور اخروی عدالتوں کی گرفت میں آنے کے لیے تیار رہنا ہوگا، ارتداد بھی ایک جرم ہے اور ہر جرم کی طرح اس کی بھی ایک سزا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہونے پر جو سزا دی جاتی ہے وہ اس لیے نہیں دی جاتی کہ اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، بلکہ اسے یہ سزا اس لیے ملتی ہے کہ اس نے خدا کی وحدانیت اور اس کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف بغاوت کی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی ملک کی شہریت حاصل کرلے اور وہاں رہنے کے بعد اس ملک کے نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کردے، ظاہر ہے کہ اسے وہی سزا دی جائے گی جو ایک باغی کو دی جاتی ہے، ارتداد کی سزا کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

اسلام میں غلامی کیوں رکھی گئی؟

حق جل شانہ نے جو عزت اور کرامت انسان کو دی وہ کسی مخلوق کو نہیں دی اپنی خاص صفات کمال علم وقدرت، سمع، بصر، تکلم وارادہ کا مظہر اور تجلی گاہ بتایا، اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، مسجود ملائکہ بتایا تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی، تمام کائنات کو اس کے لئے پیدا کیا اور اس کو اپنی عبادت اور عبودیت کے لئے بنایا اس کو وہ حریت اور آزادی عطا فرمائی کہ تمام روئے زمین اس کی ملک اور تصرف میں دے دی؛ لیکن جب اس نادان انسان نے اپنے خالق پروردگار کے واجب الاطاعت ہونے ہی سے انکار کر دیا اور خداوند ذوالجلال سے بغاوت (کفر) کی ٹھان لی اور انبیاء ومرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے میدان میں نکل آیا تو اس کافر انسان کی ساری عزتیں خاک میں مل گئیں اور وہ حریت اور آزادی جو اس کو عطا کی گئی تھی یکلخت چھین لی گئی اور حق جل وعلا نے اس باغی اور سرکش انسان کو اپنے ان عباد الصالحین کا (جنہوں نے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جان کی بازی اور سرفروشی کی) مملوک بنا دیا اور ان کو یہ اجازت دی کہ بہائم اور اموال مملوکہ کی طرح جس طرح چاہو اس کی خرید وفروخت کرو، تم کو اس کی بیع اور ہبہ اور رہن کا کلی اختیار ہے اور یہ تمہاری بغیر اجازت کے کوئی تصرف نہیں کرسکتا، جان نثار اور وفادار کو باغی اور غدار کے برابر کر دینا عقل اور فطرت اور قوانین سلطنت میں صریح ظلم ہے، وہ کونسی متمدن حکومت ہے جس کے قانون میں فرمانبردار اور مجرم تمام احکام میں مساوی ہوں خداوند عالم کا ارشاد ہے "افنجعل المسلمین کالمجرمین" (۱) کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں کہ (دونوں کے احکام میں کوئی فرق نہ رہے ایسا نہیں ہوگا)۔

تمام متمدن حکومتوں میں باغیوں اور پولیٹیکل، مجرموں کی سزا چوروں اور بدمعاشوں

(۱) (سورۃ القلم آیت ۳۵)

اور دھوکہ بازوں اور جعل سازوں سے کہیں زیادہ ہے، جس پر بغاوت اور سازش کا جرم ہو اس کی سزا سزائے موت یا عمر بھر کی جلاوطنی کے اور کچھ نہیں ہوتی اگر چہ مادہ تمردو عمیاں اور سرکشی کا دونوں مجرموں میں ہے مگر چوروں اور بدمعاشوں کی سرکشی رعیت کے کسی ایک یا چند افراد کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور باغیوں اور پولیٹیکل مجرموں کا تمرد اور عمیان سلطان وقت اور حکومت اور قانون حکومت کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ حکومت ہی مٹ جائے اور تمام متمدن حکومتوں کی نظروں میں بغاوت سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں، چوری اور بدکاری کا جرم بغاوت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، حکومتوں کا مسلمہ قانون ہے کہ جو شخص بغاوت کرے تو اس کی تمام فطری آزادی یکلخت چھن جاتی ہے اور مال و جائداد سب ضبط ہو جاتی ہے اور حقیر و ذلیل چوپایہ کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے، اگر چہ یہ پولیٹیکل مجرم کتنا ہی لائق اور عاقل اور فاضل کیوں نہ ہو اور عیب نہیں کہ یہ مجرم عقل اور فہم اور تعلیم میں صدر جمہوریہ سے بھی بڑھ کر بولیں جبکہ خالی اور مجازی حکومتوں کو اپنے باغیوں کی آمدنی سلب کرنے کا اختیار ہے، تو اس خداوند ذوالجلال کو جس نے ان باغیوں کو وجود اور حیات اور عقل اور فہم کی دولت عطا کی ہے، یہ اختیار کیوں نہیں کہ وہ اپنے باغیوں (کافروں) سے اپنی ہوئی آزادی سلب کرسکے۔

انسان کے آزاد ہونے کا مطلب کیا ہے؟

انسان کو فطرۃ آزاد کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ حریت اور آزادی انسان کی نفس ماہیت کے لوازم اور مقتضیات سے ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس لئے فطرتا آزاد ہے اور جب اسلام زائل ہو گیا تو آزادی بھی زائل ہوگئی اور یہ غلامی اس جرم کی سزا ہے، جو خلاف فطرت ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آزادی انسان کا فطری حق ہے تو ہمارا یہ سوال ہے کہ یہ حق کسی کا دیا ہوا ہے اور کیا یہ ایسا اٹل حق ہے کہ کوئی جرم کرو، کفر کرو، شرک کرو، خداوند ذوالجلال سے بغاوت کرو، اس

کے اتارے ہوئے قانون کے اجراء میں مزاحمت کرو،اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلاؤ،ان کا تمسخر کرو،ان کا مقابلہ کرو،اس کے پرستاروں کو ستاؤ،غرض یہ کہ جو جرم چاہو کرو، مگر تمہارا یہ حق آزادی کس طرح زائل نہیں ہوسکتا ہے۔

جہاد کا مقصد کیا ہے؟

جہاد کے حکم سے خداوند تعالی کا یہ ارادہ نہیں کہ کافروں کو یکلخت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں حاکم بن کر رہے، اللہ کے فرمانبردار عزت کے ساتھ زندگی گزاریں اور امن وعافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کرسکیں اور کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ وہ ان کے دین میں خلل ڈال سکیں، اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں، بلکہ ان کی ایسی شان وشوکت کا دشمن ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔

اسلام کے قانونِ جہاد کی تدریجی ترتیب

نیز اسلام کے قوانین خود اس کے شاہد ہیں کہ اسلام بزورشمشیر نہیں پھیلا؛ بلکہ اسکے کچھ قوانین ہیں ۔مثلاً

ا۔اشاعت اسلام کا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کرو تو اول ان پر اسلام پیش کرو کہ ایمان لے آؤ، اگر وہ ایمان لے آئیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں،تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں،سب برابر ہو۔

۲۔اور اگر اسلام نہ لائیں اور اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو ان سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ تم اسلامی حکومت کی اعانت کا عہد کرو اور جزیہ دینا قبول کرو اور حکومت میں کوئی بدامنی نہ پھیلاؤ، تو ہم تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں،تمہاری جان اور مال وآبرو کی حفاظت مسلمانوں کی جان ومال کی وآبروں کی طرح ہوگی، اس شرط کے ساتھ تم اسلامی

حکومت میں عیسائی اور یہودی اور مجوسی بن کر رہ سکتے ہو، حکومت اسلامیہ تمہارے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور مزید براں تمہارے لئے آزادی ہوگی کہ اسلام اپنے خاص احکام تم پر جاری نہ کرے گا، مثلاً شراب پینا اسلام میں منع ہے اور تمہارے مذہب میں جائز ہے، اس لئے اسلام تم کو شراب پینے اور اس کی خرید وفروخت سے منع نہیں کرے گا، نکاح کے لئے اسلام میں جو خاص شرائط ہیں اسلام تمہیں ان کے کرنے پر مجبور نہیں کرے گا تمہیں اپنے رواج کے مطابق نکاح کرنے کی اجازت ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

۳۔اور اگر جزیہ دینا بھی منظور نہ کریں تو پھر شمشیر کا علم ہے، معلوم ہوا کہ شمشیر کا حکم مسلمان بنانے کے لئے نہیں، بلکہ آخری درجہ میں ان کی سرکشی کے جواب میں ہے، پس اگر اسلام تلوار سے پھیلا تو سب سے پہلے تلوار کا حکم ہوتا، تیسرے درجہ میں نہ ہوتا۔

اگر اسلام جبر واکراہ سے پھیلتا تو جبر واکراہ سے اسلام لانے والے اسلام پر عاشق اور فریفتہ نہ ہوتے اس لئے کہ جبر واور اکراہ کا اثر ظاہر اور بدن پر ہوتا ہے قلب پر نہیں ہوتا، پس جو لوگ جبراً مسلمان بنائے گئے ان کی حالت یہ ہوتی کہ ظاہر میں زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے اور دل میں اس سے متنفر اور بیزار ہوتے، حالانکہ یہ لوگ دل وجان سے ظاہر و باطن، جلوت اور خلوت میں اسلام پر فریفتہ اور شیدا تھے اور بہ نسبت مسجد کے گھر میں زیادہ عبادت کرتے تھے اور اسلام پر اپنی جان اور مال دینے کو سعادت سمجھتے تھے، علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص محض زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھ لے، اس کا قتل جائز نہیں ہیں، پس جس مذہب نے دشمن کے ہاتھ میں یہ سپر دے رکھی ہو کہ ایک مرتبہ زبان سے کلمہ پڑھ لینے پر فوراً چھوڑ دئے جاؤ گے، کیا وہ مذہب جبر اًور اکراہ سے پھیل سکتا ہے؟ جبر کی اس میں گنجائش ہی نہیں، ہر کافر تقیہ کر کے کلمہ پڑھ کر قتل سے بچ سکتا ہے اور پھر قدرت اور موقع پانے پر سابق مذہب کی طرف لوٹ سکتا ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بقول معترضین جبر اور اکراہ سے اسلام کو قبول کیا تھا وہ ساری عمر کیوں اس جبر کے پابند رہے

موقع پا کر اپنے سابق مذہب کی طرف کیوں نہ لوٹ گئے۔(۱)

کیا جہاد جبر و اکراہ کی دلیل ہے؟

جہاد لوگوں کو جبراً ''مسلمان بنانے کے لئے نہیں، بلکہ اسلام کی عزت اور ناموس کی حفاظت کے لئے ہے اور دنیا کی کوئی قوم اور عالم کا کوئی مذہب بدوں حکومت کے اپنی حفاظت نہیں کرسکتا، مخالفین اسلام آسمان اور زمین کو سر پر اٹھائے ہوئے ہیں اور زبان اور قلم سے یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ اسلام بزورشمشیر پھیلا، ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں مسلمان وہ شخص کہلاتا ہے جو برضا ورغبت حقانیت اسلام کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور جو شخص کی طمع اور لالچ یا کسی خوف اور ہراس سے اسلام کا محض زبانی اقرار کرے اور دل سے منکر ہو وہ کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا، اگر آپ غور سے دیکھیں تو آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر عالم کی تمام قوتیں بھی یہ چاہیں کہ جبر واکراہ سے کسی کے قلب کو مطمئن کردیں تو ناممکن اور محال ہے، تلوار و تیر اور خنجر سے کوئی عقیدہ قلب میں نہیں اترا اور غالباً اس واضح حقیقت کا کوئی معمولی سے معمولی عقل والا بھی انکار نہیں کرسکتا، لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام بزورشمشیر پھیلا ہے بالکل غلط ہے؛ بلکہ اگر اسلام کو تلوار اور تیر سے پھیلایا جاتا تو اسلام پھیلنے کی بجائے کمزور ہوتا اور لوگ اپنے اس قاتل مذہب کے دشمن بن جاتے۔

''أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ'' کا مطلب کیا ہے؟

اگر کسی شخص کو اللہ کے نبی کے اس قول ''أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوا لا اله الا اللّٰه وَأَنَّ محمدًا رَّسولُ الله'' کے حوالے سے کوئی اشکال ہو اور وہ کہے کہ اللہ کے نبی تو یہ فرمارہے ہیں کہ مجھے اس وقت تک کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ سب کے سب اسلام قبول نہ کرلیں، تو پھر یہ مصالحت اور کافروں کو اپنے

(۱) (مختصر من سیرۃ المصطفی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی)

مذہب پر برقرار رکھنے والی بات کیسے مان لی جائے؟ تو محدثین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی پاک کا یہ قول ایک خاص پس منظر میں ہے اور اس سے مراد عرب کے بت پرست ہیں، نیز بہت سے محدثین، مثلاً امام مالکؒ اور اوزاعیؒ مشرکین عرب سے بھی اس اصول کے مطابق عمل کرنے کے قائل ہیں کہ انھیں بھی اسلام پیش کیا جائے گا، نہ مانیں، تو اسلامی قلم رو میں رہنے کے عوض اُن کی حفاظت کے مصارف کے طور پر ان سے جزیہ طلب کیا جائے گا اور اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں، تو پھر ان سے قتال کیا جائے گا، اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے پس منظر میں یہ بات غلط بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ فتحِ مکہ تک جو لوگ کفر وشرک پر جمے ہوئے تھے، انھوں نے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی تمام تر کوششیں کر لی تھیں، پھر یہ کہ وہ لوگ تو نبی پاک ﷺ کی صداقت وحقانیت کو دوسرے تمام خطوں کے لوگوں سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے؛ کیوں کہ خود نبی پاک ﷺ بھی عربی النسب اور ان ہی کے وطن اور قوم کے فرد تھے اور جو قرآن آپ پر اتارا گیا تھا، وہ بھی ان ہی کی زبان (عربی) میں اتارا گیا تھا، تو اس طرح حق تو ان کی نگاہوں کے سامنے بالکل واضح اور صاف تھا، اگر وہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائے، تو اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ راہِ حق سے خود بھی سرگرداں تھے اور متبعینِ حق کو ان کے راستے سے ہٹانے اور بھٹکانے پر بھی تلے ہوئے تھے، مزید یہ کہ شرک اور کفر سراسر ایک باطل مذہب ہے اور باطل مذاہب کے پیروکاروں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ حق کے خلاف پوری قوت سے اٹھ کھڑے ہوتے اور حق پرستوں کو دبانے اور مٹانے کے لیے تمام تر تدبیریں بروئے کار لاتے ہیں، ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور عصرِ حاضر میں بھی یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری وساری ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا میں جو قومیں متمدن اور ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں، وہ اپنی شان وشوکت کے تحفظ کی خاطر کیا کیا نہیں کر رہی ہیں، صرف اپنے مفادات کی خاطر آئے دن لاکھوں انسانوں کی جانیں لے رہی ہیں، ملکوں کو تاراج اور شہروں کو برباد اور نیست ونابود کر رہی ہیں؛ لیکن چوں کہ دانش وبینش

اور فکر و عقل کے پیمانے بدل چکے ہیں؛ اس لیے ان پر تو کوئی بھی اشکال نہیں کرتا، کیا اپنا سرِ پُرغرور اونچا رکھنے کے لیے ان کی یہ انسانیت کُش کارروائیاں حلال ہیں؛ جب کہ یہی اگر کوئی اور قوم اپنے تحفظ کی خاطر کرتی ہے، تو اس کے لیے حرام قرار دیا جاتا ہے۔(۱)

کیا جہاد صرف اسلام میں ہے؟

مسئلہ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی یہ مسئلہ موجود تھا، پس اگر اسلام کی ترقی اور اشاعت کا سبب صرف جہاد ہوتا تو دوسرے جن مذاہب میں یہ جہاد موجود تھا وہ کیوں اتنی تیزی کے ساتھ نہ پھیلے، خصوصا جبکہ تاریخ میں بکثرت ایسی نظیریں موجود ہیں کہ بوقتِ قدرت سلاطین و یہودی انصاری نے اپنے اپنے مخالفین کا قتل عام کرایا ہے۔

انسانی جنگ نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

کافروں اور خدا کے باغیوں کو فرشتوں کے بجائے انسانوں سے قتل کرانا رحمت خداوندی کا ایک طرح کا ظہور ہے، ورنہ جن امتوں اور قوموں کو فرشتوں کے ذریعے ہلاک کیا گیا ان کو پھر معافی، توبہ اور مسلمان ہونے کی مہلت نہیں ملی اور جن امتوں سے انبیاء ومرسلین اور ان کے متبعین نے جہاد کیا ان کو سننے، سمجھنے اور حق میں غور اور فکر کرنے کا کافی موقعہ ملا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوگی، اور اگر وہ کفر پر مرگئے تو ان کی اولادوں نے اسلام کو قبول کیا، جیسے طائف اور حلب وغیرہ کے باشندگان، چند روزہ مجازی بادشاہت بغاوت کے جرم کو ناقابل معافی جرم قرار دیتی ہے، اور تمام دانشور اس کو درست سمجھتے ہیں؛ حالانکہ باغی شخص نہ بادشاہ اور حکومت کا پیدا کیا ہوا ہے اور نہ ذرہ برابر اس کی کسی چیز کا محتاج ہے۔ پھر نہ معلوم اس رب العالمین خالق و مالک اور اس کے انبیاء و رسولوں

---

(۱)(ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ12، جلد 98 :صفر المظفر 1436 ہجری مطابق دسمبر 2014ء)

سے بغاوت (کفر) کو کیوں معمولی اور حقیر کہہ کر اسلام کے جہاد پر اعتراض کیا جاتا ہے، دنیا کی کوئی سی مہذب قوم اگر بغیر حکومت اور دبدبہ کے اپنی عزت اور ناموس کی حفاظت کر سکے تو یہ ناممکن ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کی تبلیغ شروع فرمائی تو اس وقت آپ کا کوئی معین و مشیر نہیں تھا، آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کی ایسی کوئی بھلائی نہ چھوڑی جس کی تعلیم و تلقین نہ کی ہو لیکن ان کو ماننے والے کتنے ہوئے اور نہ ماننے والے کتنے ہوئے، اس کی مثال میں خود مکہ ہی کو لے لیں، آپ ﷺ نے ۱۳ رسال کے عرصہ میں جو تبلیغ فرمائی، اس سے کتنی تھوڑی تعداد میں مسلمان ہوئے حتی کہ نبی کریم ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی ضروری ہوگئی، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد اشاعت اسلام کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے جہاد کا حکم نازل ہوا، جو سورہ حج کی آیت ۳۹ رتا ۴۱ رمیں مذکور ہے۔

عہدِ نبوی اور عالمی جنگوں میں تلوار سے مرنے والوں کی تعداد

تمام غزوات میں مخالفین کے کل قیدی 6564 اور کل مقتول 759 تھے اور مسلمانوں میں سے کل 259 شہید اور صرف ایک بزرگ قید ہوئے 6348 قیدیوں کو آنحضور ﷺ نے بغیر کسی شرط کے غزوہ حنین کے بعد آزاد فرما دیا، ستر قیدی بدر کے تھے، جن کو فدیہ ادا کرنے پر رہا کر دیا، ان اعداد کے مقابلے میں دنیا کی دوسری مذہبی و سیاسی لڑائیوں کے قیدیوں اور مقتولین کی تعداد دیکھی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے صرف مدافعت کے لیے مجبور ہو کر تلوار ہاتھ میں اٹھائی تھی کسی اور مقصد کے لیے نہیں لڑے تھے، جنگ عظیم اول جو کہ چار سال تک جاری رہی ان اعداد و شمار میں قیدی اور زخمی سپاہیوں کا شمار داخل نہیں مقتولین کی تعداد قریباً چار کروڑ بنتی ہے۔(۱)

(۱)(اسلام پر چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی جوابات، ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک)

اب ذرا دنیا کے نام نہاد انسانی حقوق کے علمبردار یہودی اور عیسائی قوم پر نظر ڈالتے ہیں کہ انہوں نے بنی نوع انسان کو کتنا نقصان پہنچایا۔ محمد نجم مصطفائی اپنی کتاب ''منزل کی تلاش'' میں ''اعجاز التنزل'' ص ۴۷۴ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ۱۴/اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ جو مسلسل چار سال تک دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں جاری رہی، یورپ وامریکہ نے اپنے ناجائز مطالبات دنیا سے منوانے کے لئے لاکھوں انسانی جانوں اور اربوں، کھربوں ڈالر تک خاک وخون کی نذر کر دیا، سینکڑوں بحری جہاز سمندر میں غرق کر دیئے گئے، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس جنگ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

روس میں ۷۱/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ جرمنی میں ۶۱/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ فرانس میں ۱۳/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ اٹلی میں ۴/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ آسٹریلیا میں ۸/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ برطانیہ میں ۷/لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ اسی طرح ترکی میں ۲/لاکھ ۵۰/ہزار، بیل جیم میں ایک لاکھ ۲/ہزار، بلغاریہ، رومانیہ سرویا ومانٹی میں ایک ایک لاکھ اور امریکہ میں ۵۰/ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد شامل نہیں۔ صرف ان لڑائیوں پر غور کیا جائے جو مذہبی حوالے سے لڑی گئیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یوروپ کی مذہبی انجمنوں نے جس قدر انسانوں کو ہلاک کیا، ان کی تعداد بھی لاکھوں سے تجاوز کر گئی ہے۔ انگلینڈ میں مذہبی عدالتوں کے احکامات پر ایک کروڑ ۲۰/لاکھ افراد کو ہلاک کیا گیا۔(۱)

عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کیا نہیں ہوا؟ اور کیا نہیں کیا گیا؟

سلاطین اسلام اگر لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے یا اس کی تدبیریں کرتے، جو عیسائیوں نے کیں اور کی جارہی ہیں تو کم از کم اسلامی قلمرو میں تو کسی غیر مذہب کا وجود باقی نہ رہتا، اس لئے کہ اگر حق وصداقت کے ساتھ مادی اعانت ومساعدت بھی شامل ہو جائے تو پھر حق کے

(۱)(ادارہ فکر وخبر 24/اکتوبر 2017)

قبول کرنے میں کیا تامل ہے، جبکہ طمع اور لالچ سے تثلیث کا گورکھ دھندا اور ایک ذات انسانی میں باوجود ہزار احتیاج کے بشریت اور الوہیت کا اجتماع اور شجر اور حجر کو خدا اور مادہ اور روح کو خدا تعالی کی طرح قدیم اور ازلی ابدی اور سرمدی منوایا جا سکتا ہے تو خداوند ذوالجلال کی توحید خالص اور یکتائی اور اس کی بے چونی اور چگونی اور شان علیمی و قدیری اور سمیعی و بصیری کو طمع ولالچ سے منوانا کیا مشکل ہے، مگر اسلام کا خداداد حسن و جمال اس سے منزہ اور مستغنی ہے کہ درہم و دینار کی چمک کو ذریعہ اشاعت بنائے اور شیطانی کمان (عورت) کے ذریعے سے اپنے تیر چلائے، جو لوگ اس راہ سے کسی مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ خدا کے بندے نہیں؛ بلکہ درہم اور دینار کے بندے ہیں۔

ہندو آئیڈیالوجی کی حقیقت کیا ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندو سماج میں ایک عرصہ سے مذہب کی تبدیلی کا سلسلہ جاری ہے، ہندو مذہب میں بنیادی طور پر کوئی ایسا ٹھوس عقیدہ نہیں پایا جاتا، جس کو ہندو عقیدہ اور آئیڈیالوجی کا نام دیا جاسکے، جو لوگ ''رام'' کو بھگوان اور خدا مانتے ہوں، وہ بھی ہندو ہیں، اور جو گ ''راون'' کو خدا قرار دیتے ہیں اور رام کو بُرا بھلا کہتے ہیں، وہ بھی ہندو مذہب ہی کے علمبردار ہیں، اور نہرو وغیرہ جیسے دانشور جو مورتی پوجا اور دیوی دیوتاؤں کے وجود کو توہم پرستی قرار دیتے ہیں، وہ بھی ہندو ہیں، توہم پرستی ہی کے نتیجے میں طبقاتی تقسیم ہندو عقیدہ کا اٹوٹ جزء ہے اور اسی لئے ہندستان میں ہزاروں سال سے دبے کچلے ہوئے لوگوں کا احساس ہے کہ ہندو مذہب دراصل مذہبی قالب میں ''برہمن واد'' کی حفاظت سے عبارت ہے، اس نظام نے صدیوں سے دلت اور پست طبقات کو اپنے طاقتور پنجہ میں دبا رکھا ہے، جب بھی انھوں نے انگڑائی لینے کی کوشش کی، نہایت ذہانت کے ساتھ ان پر اپنی گرفت اور مضبوط کر دی گئی۔

ہندومذہب میں نسلی امتیازات کی تفصیل

حقیقت یہ ہے کہ ہندومذہب طبقاتی تقسیم کی جیسی واضح تصویر پیش کرتا ہے، شاید ہی کسی اور مذہب میں ایسی طبقہ واریت پائی جاتی ہو، اگر انسانوں کے درمیان نسلی بنیاد پر تفریق کوئی قابل تعریف بات ہوتی تو یقیناً ہندوازم سے بڑھ کر کوئی مذہب قابل تعریف نہ ہوتا، ہندومذہب کے مطابق انسان پیدائشی طور پر چار گروہوں میں منقسم ہے : برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔

[۱] برہما سے مراد خدا کی ذات ہے؛ اسی لئے برہمن کا لفظ ہی اس طبقہ کی خدا سے قربت کو بتلاتا ہے، برہمن بنیادی طور پر مذہبی نمائندہ ہوتا ہے، ویدکی تعلیم حاصل کرنا اور نذرونیاز لینا صرف برہمن کا حق ہے، برہمن پیدائشی طور پر مخلوق میں اعلیٰ درجہ کا حامل ہے، جو کچھ اس دنیا میں ہے، اصل میں برہمن کا ہے، جن جرائم پر دوسرے لوگ سزائے موت کے مستحق ہیں، برہمن کا اس جرم میں صرف سر مونڈا جا سکتا ہے، دس سال کا براہمن سو سال کے چھتری کے لئے بھی باپ کا درجہ رکھتا ہے، وہ ہر طبقہ کی عورت سے شادی کرسکتا ہے، کسی دوسرے طبقہ کا آدمی برہمن عورت سے نکاح نہیں کرسکتا؛ تاہم اگر برہمن کسی شودر عورت سے نکاح کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو نرک (دوزخ) کا مستحق بناتا ہے، برہمن خواہ کتنا بھی براعمل کرے وہ تعظیم واحترام کا مستحق ہے۔

[۲] چھتری کا کام دان دینا، چڑھاوے چڑھانا اور حفاظت وصیانت کا کام انجام دینا ہے۔

[۳] ویش تجارت وزراعت اور مویشیوں کی پرورش کا کام کریں گے اور دان دیں گے، یہ سب گویا برہمن کی خدمت کے لئے ہیں۔

[۴] ان میں سب سے بدقسمت طبقہ ''شودروں'' کا ہے، یہ ویدکی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، برہمن کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے، ان کا سب سے اہم کام پورے اخلاص سے برہمنوں کی خدمت

کرنا ہے، برہمن، شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے، اگر وہ اپنے سے اونچی ذات پر لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور غصہ میں لات مارے تو پیر کاٹ ڈالا جائے، اگر کسی شودر نے برہمن کو گالی دی تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے اور اگر کوئی شودر مدعی ہو کہ وہ برہمن کو تعلیم دے سکتا ہے تو اس کو کھولتا ہوا تیل پلایا جائے، یہاں تک کہ کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے، اُلو کے اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔(۱)

یہ مسئلہ سماجی ہے یا مذہبی؟

اگر غور کیا جائے تو ہمارا موجودہ جمہوری ڈھانچہ ذات پات کے تصور کی نفی کرتا ہے؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی برہمنوں کی تعداد تو چار، پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، مگر حکومت کے کلیدی عہدوں پر ان کی تعداد ۶۴ / فیصد ہے، سیاسی تبدیلیوں سے چہرے بدلتے ہیں، لیکن اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، آج تک پست اقوام میں کوئی سربراہ نہیں بن سکا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندو قوم میں یہ مسئلہ محض ایک سماجی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کی جڑیں عقیدہ کی گہرائیوں میں پیوست ہیں، ان حالات نے دبے کچلے لوگوں کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہندوازم کے اس قید خانے سے اپنے آپ کو باہر نکالیں اور باعزت انسان کی طرح سماج میں زندہ رہیں، اس کے لئے مشہور رہنما امبیڈکر نے بودھ ازم کو قبول کیا لیکن جلد ہی سمجھ دار اور باشعور لوگوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ یہ شراب کو آب سمجھنے کے مترادف ہے، بدھسٹ سماج کو ہندو سماج نے اس طرح اپنے اندر جذب کر لیا ہے کہ گویا یہ قید خانہ کی ایک کوٹھری سے نکل کر دوسری کوٹھری میں داخل ہونا ہے، وہی سماج، وہی تہذیب، وہی رسوم و رواج، بس خداؤں میں ایک خدا کا اضافہ یا کچھ دیوتاؤں کی تبدیلی، یہاں تک کہ دستورِ ہند کے مطابق بھی اس تبدیلیٔ مذہب کے باوجود وہ ہندو ہی شمار کیا جاتا

---

(۱) (شمع فروزاں، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی، بصیرت فیچرس)

ہے، لوگ یہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ جن مذاہب کی پیدائش اور نشوونما ہندوستان کی سر زمین میں ہوئی ہے، برہمنوں نے اپنی ذہانت سے ان کا ایسا ''ہندوکرن'' کردیا ہے، کہ اب کسی کے لئے ان مذاہب میں سے کسی کو اختیار کرنے کے باوجود ہندو سماج کے مظالم سے نجات پانا اور انصاف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اسلام کو اپنا مذہب کیوں انتخاب کیا گیا؟

بے چین اور بے قرار ذہن وفکر رکھنے والوں کے لئے دو ہی راستے رہ گئے ہیں (۱) عیسائیت (۲) اسلام، اس سے کسی حقیقت پسند غیر مسلم کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اسلام کے عقائد واُصول جتنے صاف و شفاف، عقل و فطرت سے ہم آہنگ، متوازن اور انسانی ضروریات کے لئے موزوں اور مناسب ہیں، کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی، جس کا خلاصہ ہے: اللہ کی وحدت اور انسانوں کی وحدت، یہ اسلام کا انقلابی تصور ہے اور دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اگر خدا ایک ہے، اس کا کوئی خاندان و کنبہ نہیں، اور کسی انسانی طبقہ سے اس کی قرابت مندی اور رشتہ داری نہیں تو اس سے خود بخود انسانی وحدت اور مساوات کا تصور اُبھرتا ہے، پھر اسلام میں کوئی عقیدہ ''پہیلی'' کی طرح نہیں ہے کہ اس کا سمجھنا مشکل اور سمجھانا مشکل تر ہو، جیسا کہ عیسائیوں کے یہاں ایک میں تین اور تین میں ایک کا تصور (Concept of the Trinity) ہے، یا ''عقیدۂ کفارہ'' (The Atanement) ہے کہ غلطی کوئی کرے اور سزا حضرت مسیح کو جھیلنی پڑے، اسی لئے مسلمان حالاں کہ اس ملک میں بہت تھوڑی تعداد میں آئے؛ لیکن اس ملک کے باشندوں نے جو طبقاتی تقسیم کی وجہ سے ظلم وجور سے دوچار تھے اور برہمنوں کو نذرانہ دیتے دیتے عاجز آچکے تھے، انھوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا، افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش اور برما تک جو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے وہ اسلام کی اسی کشش کا نتیجہ ہے۔

لوگ عیسائی کیوں بن رہے ہیں؟

اسلام کے بعد اس ملک کے لوگوں کے لئے زیادہ قابل توجہ مذہب عیسائیت ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ پچھلے سو سال میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد نے عیسائیت کو قبول کیا ہے، کئی ریاستوں میں تو عیسائیت اکثریتی مذہب بن گیا ہے، میرے خیال میں اس کی بنیادی وجہ دو ہے، ایک تو مادی وسائل کا استعمال، ہسپتال، درسگاہیں اور معاشی فلاح کے مراکز کے قیام و انتظام نے عیسائیت کو اس بات کا موقع فراہم کیا کہ مقامی آبادی میں اثر ونفوذ حاصل کرے اور ان میں داخل ہو سکے، دوسرے اگر چہ عیسائیت کو ایک عالمی مذہب اور ترقی یافتہ قوم کا مذہب ہونے کی وجہ سے ہندوازم کے ساتھ مکمل طور پر جذب نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عیسائیت کا کوئی سماجی تشخص نہیں ہے، شادی، بیاہ، سماجی رسم و رواج وغیرہ میں وہ ہندو سماج ہی کا ایک حصہ بن گئے ہیں، ان کے پاس حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا کوئی مکمل نظامِ حیات نہیں ہے، جو ان پر قیود و حدود عائد کرتا ہو اور اپنے پہلے معمولات سے روکتا ہو، اکثر اوقات تو نام بھی تبدیل نہیں کئے جاتے، بس کچھ تہواروں کا فرق ہوتا ہے، شرک پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے، مورتی کی پرستش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے، اس لئے جب کوئی ہندو عیسائی مذہب قبول کرتا ہے تو اسے بہت ہی معمولی تبدیلیوں سے گذرنا پڑتا ہے، اس کی عملی زندگی میں تو کوئی انقلاب آتا ہی نہیں ہے، اور اسے فکر و عقیدہ کے اعتبار سے بھی کسی غیر معمولی تبدیلی سے گذرنا نہیں پڑتا۔

کیا داعیانِ اسلام کو گرفتار کرنا مسئلہ کا حل ہے؟

اس وقت دعوتِ اسلام کا کام کرنے والی بعض شخصیتوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے، دعوت کے کام کو جبر و دباؤ یا مالی تحریص کے ذریعہ دھرم پریورتن کا نام دینا سفید جھوٹ اور کھلی ہوئی زیادتی ہے، ہندوستان اور بالخصوص ریاست اتر پردیش میں کیا اس بات کا تصور بھی کیا جا سکتا

ہے کہ کوئی مسلمان یا عیسائی زور زبردستی سے کسی ہندو کا مذہب تبدیل کرادے اور مسلمان جو بنیادی ضروریات کے لئے محتاج ہیں، کیا وہ پیسوں کے بَل پر برادران وطن کا مذہب تبدیل کراسکتے ہیں؟ یہ صرف ایک پروپیگنڈہ اور سچائی کا قتل ہے، جو میڈیا اور سرکاری ادارے کر رہے ہیں، اور اس کا مقصد نفرت پھیلانا اور ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے لڑانا ہے، جو سازشیں سنگھ پریوار کے لوگ اقلیتوں کے خلاف کر رہے ہیں، اگر وہ اس کے بجائے ہندو سماج کی اصلاح کی طرف دیتے تو یہ ان کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔(۱)

آر ایس ایس کی سوچ کیا ہے؟

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: آر ایس ایس کے بعض سربراہ اکثر اپنے عجیب وغریب اور نفرت انگیز بیانات کی وجہ سے سرخیوں میں رہتے ہیں، وہ کبھی میٹھی اور کبھی کڑوی دوا کھلانے کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں، کبھی اقلیتوں کے حق میں بہ تکلف ایک آدھ اچھے فقرے بھی بھی کہہ جاتے ہیں اور کبھی ایسی خود ساختہ تاریخ بیان کرتے ہیں کہ گویا صرف ہندو ہی اس ملک کے باشندے ہیں، باقی لوگوں کو اس سرزمین سے چلا جانا چاہیے، اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہندو تو یہیں پیدا ہوئے، کسی دوسرے ملک سے نہیں آئے، البتہ مسلمان اور عیسائی وغیرہ دوسرے ملکوں سے آئے ہیں، اس لیے وطن عزیز پر ان کا حق کم ہے، اگر وہ اسی ملک میں رہنا چاہتے ہیں تب بھی ان کو دوسرے درجہ کا شہری بن کر رہنا ہوگا، اسی پس منظر میں ابھی انہوں نے دعوی کیا ہے کہ مسلمان حملہ آور ہیں، حملہ آور کے اس لفظ سے وہ دو باتیں کہنا چاہتے ہیں، ایک یہ کہ مسلمان اس ملک کے اصل شہری نہیں ہیں، وہ باہر سے آئے ہیں، دوسرے انھوں نے زور زبردستی کے ذریعہ اپنا مذہب پھیلایا ہے، اور اسی طرح حکومتوں نے کیا ہیں۔

---

(۱) فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی، بصیرت فیچرس

وطنی یا غیر وطنی ہونے کا معیار کیا ہے؟

اس دعویٰ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند نکات کو پیش نظر رکھنا چاہیے، اول یہ کہ کس کے آباؤ اجداد باہر سے آئے، اور کن کے آباؤ اجداد اسی زمین میں پیدا ہوئے؟ یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جس کو وطنی یا غیر وطنی اور دیشی اور بدیشی ہونے کا معیار بنایا جائے، اگر اس کو اصول کے طور پر درست مان لیا جائے تو آج پوری دنیا میں نقل آبادی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کرنا پڑے گا، پوری دنیا ایک انتشار اور ابتری کے ماحول سے دوچار ہو جائے گی کیوں کہ اگر نقل مکانی کی تاریخ پڑھی جائے تو کوئی علاقہ ایسا نہیں، جہاں دوسرے علاقہ کے لوگ آکر نہیں بسے ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دنیا آج اس قدر آباد نہ ہوتی اور ویرانے کا منظر پیش کرتی، امریکہ میں ریڈ انڈین Red Indian ایشیاء سے اور سیاہ فام لوگ افریقہ سے پہنچے، اس کے بعد یوروپ کے سفید فام پہنچے، اور وہ پہلے سے آباد باشندوں کو دور دراز علاقوں میں بھگا کر قابض ہو گئے، کیا اب وہاں اس فلسفہ پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ جن کے آباؤ اجداد یہاں پیدا ہوئے ہیں، وہی اس ملک کے شہری سمجھے جائیں گے، اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو خود ہمارے دیش کو کتنا نقصان پہنچے گا، آج دنیا کے بہت سے ملکوں میں برصغیر کے تارکین وطن موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی ہیں، جو مزدور بن کر اس حال میں پہنچے تھے کہ ان کے ہاتھوں میں ہل جوتنے والے بیلوں کی رسی تھی، اور آج وہ وہاں کے تخت وتاج کے مالک ہیں، اور اقتدار کی لگام ان کے ہاتھ میں ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جس علاقہ میں آباد ہو گئے، وہ اس علاقہ کے وطنی ہیں۔

بین الاقوامی معاہدہ سے پہلے کیا حال تھا؟

دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں کوئی ایسا بین الاقوامی معاہدہ نہیں تھا، جس میں دنیا کی سبھی حکومتیں بندھی ہوئی ہوں، زیادہ تر قبائلی نظام تھا، جو قبیلہ جس علاقہ پر حاوی ہو گیا،

وہ اس علاقہ کو اپنی ملکیت بنالیتا تھا، چراگاہوں اور کھیتوں پر قبضہ کرلیتا تھا، یا تو دوسرے قبیلہ کو مار بھگاتا تھا، یا انہیں اپنا غلام اور خادم بنالیتا تھا، بڑی حکومتیں ہوں یا چھوٹی، ملک گیری ہی ان کے معاش کا اور اپنے اقتدار کو وسعت دینے کا ذریعہ تھا، ہمارے ملک میں بھی قبائلی سرداروں اور راجاؤں کی یہی صورت حال تھی، اسی اصول کے تحت سلطنتیں بنتی، پھیلتی اور سکڑتی تھیں، اب ان پرانی تاریخوں کو نکالنا اور اس کی بنا پر لوگوں کی شہریت کے فیصلے کرنا ایک بے معنیٰ بات ہوگی، دنیا بھر کے ممالک اسی طرح وجود میں آئے اور آج تک وہاں نسل درنسل لوگ آباد ہیں، نیز پوری دنیا نے ان کو اس ملک کا باشندہ تسلیم کرلیا ہے۔

کیا ہندو برہمن حملہ آور نہیں ہے؟

تیسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ کیا ہندو اور خاص کر برہمن حملہ آور نہیں ہیں، اور کیا یہ باہر سے نہیں آئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حملہ آور ہیں اور یہ بھی باہر سے آئے ہیں؛ کیوں کہ یہ آرین نسل سے ہیں، جیسے مغل اور پٹھان وسط ایشیاء سے تعلق رکھتے تھے، اسی طرح آریہ بھی وسط ایشیاء کے خانہ بدوش تھے اور اچھی چراگاہ کی تلاش میں یہاں وہاں گھومتے رہتے تھے، وہ دو ہزار سے پندرہ سو قبل مسیح کے درمیان ہندوستان میں داخل ہوئے اور برصغیر کے پورے مغربی اور وسطی علاقہ پر دور دور تک قابض ہو گئے، اور یہاں کے اصل باشندے دراوڑوں کو اس طرح مار بھگایا کہ وہ ہٹتے ہٹتے مشرقی اور جنوبی علاقہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اس بات کو ہندوستان کے تمام معتبر اور قدیم مؤرخین نے لکھا ہے۔

۱:۔ لالہ لاجپت رائے جو ایک قوم پرست لیڈر تھے، انہوں نے کہا ہے: ”ہمیں اس بات کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ ہندو آریہ بھارت کے مول نواسی نہیں ہیں۔ (۱)

۲۔ پی ایچ گپتا نے لکھا ہے: ”رامائن کوئی مذہبی کتاب نہیں بلکہ بدیسی آریوں کے

(۱) (بھارت کا اتہاس، صفحہ ۲۱:-۲۲)

ذریعہ بھارتیہ مول نواسیوں کے درمیان جنگ پر آدھارت (مبنی) کتاب ہے۔(۱)

۳۔نمودری پال کا کہنا ہے: ''ہندوواد کی پیدائش بھارت میں نہیں ہوئی، بلکہ دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی باہر سے آئے ہیں،لیکن بھارت کی دھرتی پر پلا بڑھا، پھولا پھلا اور اب یہ ہندوستانی سرزمین کا ہی حصہ ہے''۔(۲)

۴۔خوشونت سنگھ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوواد آریوں کے ذریعہ اور اسلام مسلمانوں کے ذریعہ ہندوستان میں داخل ہوا۔(۳)

۵۔خود آر ایس ایس کے بانی گروگوالکر ۱۹۲۰ء تک اس بات کو تسلیم کرتے رہے کہ آریہ ہندوستان میں باہر سے آئے ہیں۔(۴) بعد کو چل کر گروگوالکر نے کہنا شروع کر دیا کہ آریہ باہر سے نہیں آئے تھے اور اس کے لئے نہایت مضحکہ خیز دعویٰ کیا کہ گویا وسط ایشیاء کے لوگ یہاں منتقل نہیں ہوئے؛ بلکہ خود وہ علاقہ ہندوستان سے کھسک کر دور چلا گیا،اور اس وقت سنگھ پریوار کے لوگ بڑی قوت کے ساتھ اس بات کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ آرین کہیں باہر سے نہیں آئے؛ حالاں کہ بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کا تعلق یہودی نسل سے ہے، اور ہندوستان کے دوسرے افراد بشمول مسلمان اور دلت کا ڈی این اے یکساں ہے، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والی موجودہ قوموں میں پہلے ودیشی اور حملہ آور برہمن تھے، اور برہمن ہی اصل ہندو ہیں۔

حملہ ظالم حکمرانوں کے خلاف تھا نہ کہ کافروں کے خلاف

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جو دوسری قومیں آئی ہیں، انھوں نے مقامی باشندوں

(۱) (رامائن میں میری کھوج، صفحہ ۱ :)

(۲) (دیش کا اتہاس ۲ : ۵۲۱/)

(۳) (ٹائمس آف انڈیا، نئی دہلی، ۱۷/اکتوبر ۱۹۸۷)

(۴) (ہندوتوا، صفحہ ۱۰۷ : ۱۴،)

کو اپنا دوست بنایا، ان سے رشتہ داریاں قائم کیں، ان کی لڑکیوں سے خود شادی کی، اپنی لڑکیوں کو ان کے نکاح میں دیا، اوران کے ذریعہ ایک ملی جلی نسل وجود میں آئی، جو رنگ وروپ میں، مزاج میں اور طور وطریق میں یکسانیت کی حامل ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ میں جو عرب فوجی آئے یا ملک کے دوسرے علاقوں میں غزنی، غوری اور دوسرے علاقوں سے جو قبائل آئے، ان کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی؛ لیکن یہاں جن حکمرانوں سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس کے لئے انھوں نے جو فوج بنائی، ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی، بیرون ملک سے آنے والے لوگوں کی تعداد اس میں دس پندرہ فیصد بھی مشکل سے رہی ہوگی، یہاں تک کہ اکثر سپہ سالار بھی مقامی ہی متعین کیا جاتا تھا؛ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ بیرونی حملہ آوروں نے فتح حاصل کی؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رعایا اپنے حکمرانوں کے ظلم سے عاجز آچکی تھی، وہ اس قدر احساس کمتری میں مبتلا اور مرعوب تھے کہ علَم بغاوت اٹھانے کی ہمت نہیں کر پاتے تھے، ان حالات میں باہر سے آنے والے انکے لئے سہارا بنے اور ان کے ساتھ مل کر انھوں نے ظالم حکمرانوں سے نجات حاصل کی، یہ ستم رسیدہ عوام کی اپنے حکمرانوں سے لڑائی تھی نہ کہ بیرونی حملہ آوروں کی ملکی لوگوں سے؛ مگر آریوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، آریوں نے مقامی باشندوں کے درمیان اور اپنے درمیان نسلی تفریق و امتیاز کی ایک دبیز دیوار کھڑی کر دی، اور ویسا ہی نسلی امتیاز قائم کیا جو قدیم دور میں یہودیوں نے اختیار کیا تھا اور جو بعد کے دور میں سفید فاموں نے امریکہ میں آباد ریڈ انڈین اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ اختیار کیا تھا، یہ امتیاز اس درجہ کا تھا جنہیں سن کر بھی انسانیت سرمشار ہو جاتی ہے، وہ صرف حملہ آور ہی نہیں تھے؛ بلکہ ایک سنگدل آقا اور مالک کا روپ رکھتے تھے۔

ہندوستان پر مسلمانوں کا احسان

پانچویں اور سچی بات یہ ہے کہ مسلمان اسی ملک میں پیدا ہوئے، ان کے آباو اجداد نے ملک کی بہترین خدمت کی، وہ مختلف علوم وفنون کو اپنے ساتھ لائے اور اس ملک کو اتنا

دولت مند بنایا کہ لوگ اسے ''سونے کی چڑیا'' کہنے لگے، اس کی GDP پوری دنیا سے آگے بڑھ گئی، دنیا کی بڑی طاقتوں میں اس کا شمار ہونے لگا اور انھوں نے ایک ایسے وسیع بھارت کو وجود بخشا، جو موجودہ افغانستان سے شروع ہو کر برما کی آخری سرحدوں تک پہنچتا تھا، ان کی شکل وصورت، مزاج ومذاق، طرز زندگی اور تہذیب وتمدن صاف طور پر بتاتا ہے کہ وہ اس ملک کے اصل باشندوں میں شامل ہیں، ان کو حملہ آور کہنا غلط ہے، حملہ آور تو آریہ ہیں، جنھوں نے اس ملک کے قدیم باشندوں کو ذلیل ورسوا کیا اور غلام بنایا۔(۱)

(۱)(شمع فروزاں، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی، بصیرت فیچرس)

مرتب کی دیگر کتابیں

۱۔رمضان المبارک معروفات ومنکرات
۲۔اصلاحی واقعات دو جلدیں
۳۔اصلاح الرسوم (تسہیل، تعلیق وتخریج)
۴۔عصری خطبات مجلدات (زیرِطبع)
۵۔جماعت اولی کی اہمیت و جماعت ثانیہ کی حیثیت
۶۔نیا سال مغرب اور اسلام کا نقطۂ نظر
۷۔کرسمس کی حقیقت عقل ونقل کی روشنی میں
۸۔ویلنٹائن ڈے تاریخ کے آئینہ میں
۹۔اپریل فول کی تاریخی حیثیت
۱۰۔خیر البیان (مدارس کے طلبہ کے لئے)
۱۱۔ہندوستانی مسلمان آزادیٔ وطن سے تعمیرِ وطن تک (زیرِطبع)
۱۲۔نفع المفتی و السائل (عربی، تحقیق وتخریج، زیرِطبع)
۱۳۔اللمعة اذا اجتمع العيد و الجمعة
۱۴۔کھیل کود کی تاریخی وشرعی حیثیت
۱۵۔احکام اعتکاف
۱۶۔خواتین رمضان کیسے گذاریں؟
۱۷۔یوم جمہوریہ حقیقت کے آئینہ میں
۱۸۔پتنگ بازی حقائق ونقصانات
۱۹۔معراجِ مصطفی کے چالیس سبق
۲۰۔عظمت اہل بیت اور مسئلہ زکوۃ
۲۱۔ارطغرل غازی سیریل حقائق اور غلط فہمیاں

۲۲۔یتیمی اور یتیموں کے کارنامے
۲۳۔لون (قرض) کے جدید مسائل
۲۴۔ظالموں کا انجام سچے واقعات کی روشنی میں
۲۵۔کرکٹ کی تاریخی وشرعی حیثیت
۲۶۔فروع الایمان (تسہیل،تخریج وتضمیم)
۲۷۔قربانی اور مسلکی مسائل
۲۸۔عصمت دری اسباب وسد باب
۲۹۔سنتِ فجر فضائل ومسائل
۳۰۔خطباتِ قاسمیہ
۳۱۔برادرانِ وطن سے تعلقات حدود وحقوق
۳۲۔کمیشن اور بروکری کے احکام
۳۳۔کرایہ کے جدید مسائل
۳۴۔ٹوپی کی شرعی حیثیت
۳۵۔اسلام میں تجارت کی اہمیت
۳۶۔جبراً تبدیلی مذہب کی حقیقت
۳۷۔بلاوضو قرآن مجید چھونے کا حکم
۳۸۔اولاد کے حقوق
۳۹۔تیسیر المبتدی (بترتیب جدید)
۴۰۔مطلقہ وبیوگان کے حقوق
۴۱۔صحبت اہل اللہ کی اہمیت
۴۲۔لو جہاد حقیقت یا فسانہ
۴۳۔ضیافت فضائل ومسائل